فہرست

اس شمارے میں

اس شمارے میں	نعیم احمد	۴

قرآنیات

البیان: یوسف ۱۲: ۱۰۲-۱۱۱ (۵)	جاوید احمد غامدی	۵

معارف نبوی

سوال سے احتراز کے بارے میں روایات	امین احسن اصلاحی	۹
انصاری خواتین کی بیعت اسلام	معز امجد/ شاہد رضا	۱۶

مقامات

اسلام اور ریاست ـــــ ایک جوابی بیانیہ	جاوید احمد غامدی	۲۰

سیر و سوانح

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (۲)	محمد وسیم اختر مفتی	۲۸

مقالات

حکیم کا طرز فکر و تعلیم	امام حمید الدین فراہی	۳۶
تدبر قرآن سے البیان تک	خورشید احمد ندیم	۴۶

ادبیات

غزل	جاوید احمد غامدی	۴۹

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نعیم احمد

’’قرآنیات‘‘ میں حسب سابق جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن ’’البیان‘‘ شائع کیا گیا ہے۔ یہ قسط سورۂ یوسف (۱۲) کی آخری آیات ۱۰۲-۱۱۱ کے ترجمہ اور حواشی پر مشتمل ہے۔ ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے تسلی دی گئی ہے۔ قریش کو تنبیہ کی ہے کہ اگر انھوں نے تاریخ سے سبق نہ سیکھا تو پچھلی قوموں کی طرح برے انجام کے لیے تیار رہیں۔

’’معارف نبوی‘‘ میں مولانا امین احسن اصلاحی کا مضمون ’’سوال سے احتراز کے بارے میں روایات‘‘ شامل کیا گیا ہے۔ یہ ’’موطا امام مالک‘‘ کی چند روایات پر مشتمل ہے۔ اسی کے تحت معز امجد صاحب کے مضمون میں اسلام کے لیے انصاری خواتین کی بیعت کا ذکر ہے۔ اس پر ترجمہ وتدوین کا کام شاہد رضا صاحب نے کیا ہے۔

’’مقامات‘‘ میں جناب جاوید احمد غامدی کا مضمون ’’اسلام اور ریاست ــــــ ایک جوابی بیانیہ‘‘ شامل اشاعت ہے۔ اس میں بیان کیا ہے کہ مسلم معاشرے میں مذہب کی بنا پر فساد پیدا ہو جائے تو اس کی اصلاح مذہبی فکر کے ایک جوابی بیانیے سے ہو گی۔

’’سیر وسوانح‘‘ کے تحت محمد وسیم اختر مفتی صاحب کے مضمون ’’حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ‘‘ کے دوسرے حصے میں حضرت عمار بن یاسر کی غزوات میں شرکت اور کردار کو بیان کیا ہے۔

’’مقالات‘‘ میں امام حمید الدین فراہی کا مضمون ’’حکیم کا طرز فکر وتعلیم‘‘ شائع کیا گیا ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک حکیم جب کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے تو تمام چیزوں میں نظم وضبط پاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ کائنات کی تخلیق خاص مقصد سے ہوئی ہے جس کا ایک خالق ومدبر ہے۔ ’’مقالات‘‘ ہی کے تحت خورشید احمد ندیم صاحب نے ’’البیان‘‘ کی تکمیل پر اپنے تاثرات کو اپنے مضمون ’’تدبر قرآن سے البیان تک‘‘ میں بیان کیا ہے۔

’’ادبیات‘‘ میں جاوید احمد غامدی صاحب کی ایک غزل شائع کی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ یوسف

(۵)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ اَجۡمَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ وَهُمۡ يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾

وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسۡئَلُهُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ

یہ (سرگذشت) غیب کی خبروں میں سے ہے، اِسے ہم تمھاری طرف وحی کر رہے ہیں، (اے پیغمبر)۔ تم اُس وقت اُن کے پاس موجود نہ تھے، جب یوسف کے بھائیوں نے اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا اور وہ (اُس کے خلاف) سازش کر رہے تھے۔ ۱۰۲

(اِس کے باوجود) اِن لوگوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ تم خواہ کتنا ہی چاہو، وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں[۱۲۴]۔ تم اِس (خدمت) پر اُن سے کوئی اجر نہیں مانگ رہے ہو (کہ وہ گریز و فرار کی راہیں

۱۲۴؎ یعنی اِس کے باوجود ایمان لانے والے نہیں کہ اِس وقت تم ایک ایسی سرگذشت اُنھیں سنا رہے ہو جو بجاے خود اِس بات کا ثبوت ہے کہ تم خدا کے پیغمبر ہو، اِس لیے کہ تمھارے لیے یہ غیب کی ایک خبر ہے۔ تم اُس وقت موجود نہیں تھے، جب یہ واقعہ پیش آیا، لیکن تم نے اِس صحت کے ساتھ اِسے سنایا ہے کہ لوگوں میں انصاف ہو تو اِس سے وہ بائیبل کے بیانات کی تصحیح کر سکتے ہیں جن میں تاریخی غلطیاں بھی ہیں اور قصے کے بعض قیمتی اجزا حذف بھی

اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ
عَلَيۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾
اَفَاَمِنُوۡۤا اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ غَاشِيَةٌ مِّنۡ عَذَابِ اللّٰهِ اَوۡ تَاۡتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا
يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ
وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾

تلاش کریں)۔ یہ تو صرف ایک یاددہانی ہے دنیا والوں کے لیے۔ (وہ تم سے نشانی مانگتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ) زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے وہ گزرتے ہیں اور اُن کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اُن میں سے اکثر خدا کو اِسی طرح مانتے ہیں کہ ساتھ ہی اُس کے شریک ٹھیراے ہوئے ہیں۔ پھر کیا وہ (اپنے اِن شریکوں پر بھروسا کرکے) مطمئن ہو گئے ہیں کہ اُن پر خدا کے عذاب کی کوئی آفت آ پڑے یا اُن پر اچانک قیامت آ جائے اور وہ اُس سے بالکل بے خبر ہوں۔۱۰۳-۱۰۷

اِن سے صاف صاف کہہ دو، یہ میری راہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ بھی جو میری پیروی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اللہ (شرک کی تمام آلایشوں سے) پاک ہے[125] اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔۱۰۸

کر دیے گئے ہیں جنھیں بجا طور پر اِس قصے کی جان کہا جا سکتا ہے۔ تمھاری زبان پر جو کچھ جاری ہوا ہے، اُس کا ایک ایک لفظ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف جیسے جلیل القدر پیغمبروں کی سیرت کے شایان شان اور عقل و فطرت کے مطابق ہے۔ تمھارے مخاطبین اگر بائیبل اور تالمود کے متقابل رکھ کر اِسے دیکھیں تو خود پکار اُٹھیں گے کہ یقیناً یہ تمھاری طرف وحی کیا گیا ہے، یہ بائیبل یا تالمود کا چربہ نہیں ہے۔

۱۲۵؎ اِس سے وہ آلایشیں مراد ہیں جو مشرکانہ عقیدے کا لازمی تقاضا اور شرک کا منطقی نتیجہ ہیں۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِيۡٓ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا
فِي الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ
لِّلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا اسۡتَيۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوۡٓا اَنَّهُمۡ قَدۡ كُذِبُوۡا
جَآءَهُمۡ نَصۡرُنَا فَنُجِّيَ مَنۡ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاۡسُنَا عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۱۰﴾
لَقَدۡ كَانَ فِيۡ قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِي الۡاَلۡبَابِ مَا كَانَ حَدِيۡثًا يُّفۡتَرٰى وَلٰكِنۡ تَصۡدِيۡقَ
الَّذِيۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيۡلَ كُلِّ شَيۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

(اِنھیں تعجب ہے کہ ایک آدمی رسول بن کر آ گیا ہے)۔تم سے پہلے بھی، (اے پیغمبر)، ہم نے جتنے رسول بھیجے، سب اِنھی بستیوں کے رہنے والے آدمی ہی تھے، ہم اُن کی طرف وحی کرتے تھے۔ پھر کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ اُن لوگوں کا انجام کیا ہوا جو اِن سے پہلے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آخرت کا گھر اُن لوگوں کے لیے کہیں بہتر ہے جنھوں نے تقویٰ اختیار کر لیا ہے۔ پھر کیا سمجھتے نہیں ہو؟ (یہ عذاب کے لیے جس طرح جلدی مچا رہے ہیں، اِن سے پہلے بھی اِسی طرح مچاتے رہے)، یہاں تک کہ جب (اُن کے) رسول (اُن سے) مایوس ہو گئے اور وہ بھی خیال کرنے لگے کہ اُن سے جھوٹ کہا گیا تھا (کہ اُن پر کوئی عذاب آنے والا ہے) تو ہماری مدد پیغمبروں کو پہنچ گئی۔ پھر اُن کو بچا لیا گیا جنھیں ہم چاہتے تھے (کہ بچا لیں) اور مجرم لوگوں سے ہمارا عذاب ٹالا نہیں جا سکتا۔ اُن کی سرگذشتوں میں عقل والوں کے لیے بہت کچھ سامانِ عبرت ہے۔ یہ (قرآن) کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں ہے، بلکہ جو اِس سے پہلے موجود ہے، اُس کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل (جو ہدایت کے لیے ضروری ہے) اور اُن لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت جو ماننے والے ہیں۔[126] ۱۰۹-۱۱۱

۱۲۶؎ یعنی آغاز کے لحاظ سے ہدایت اور انجام کے لحاظ سے رحمت۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

امین احسن اصلاحی
ترتیب وتدوین: خالد مسعود-سعید احمد

سوال سے احتراز کے بارے میں روایات

(مَا جَاءَ فِي التَّعَفُّفِ عَنِ الْمَسْئَلَةِ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ، ثُمَّ سَأَلُوهُ فَأَعْطَاهُمْ، حَتّٰى نَفِدَ مَا عِنْدَهُ، ثُمَّ قَالَ: مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً هُوَ خَيْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ.

''حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ کچھ انصار آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے سوال کیا تو آپ نے دیا، پھر سوال کیا تو پھر دیا، یہاں تک کہ آپ کے پاس جو کچھ تھا ختم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ بھئی! میرے پاس جو مال ہو گا، میں اس کو تم سے اٹھا نہیں رکھوں گا، لیکن یاد رکھو کہ جو پاک دامنی اختیار کرنا چاہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو پاک دامنی بخشے گا۔ اور جو استغنا اختیار کرنا چاہے گا، اللہ تعالیٰ

اس کو غنی بنا دے گا۔ اور جو صبر اختیار کرنا چاہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو صابر بنا دے گا۔ اور یہ یاد رکھو کہ بہترین اور وسیع ترین عطیہ جو خدا کی طرف سے ملتا ہے، وہ صبر ہے۔''

وضاحت

یہ روایت ہے تو ابن شہاب کے ذریعے سے، مگر نہایت لاجواب روایت ہے۔ فلسفۂ دین کے لحاظ سے یہ بہت اہم روایت ہے۔ بس ایسی روایات کی بدولت ابن شہاب کو اہمیت حاصل ہوگئی ہے اور ان ہی کے پردے میں وہ اپنی خرافات بھی بھر دیتے ہیں۔

اس روایت میں تمام بنیادی اخلاقیات آ گئی ہیں۔ اگر آپ پاک دامن بننا چاہتے ہیں تو امتحان ضرور پیش آئے گا۔ اگر آپ ثابت قدمی سے کوشش کریں گے تو سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرح بازی لے جائیں گے۔ اگر آپ ارادہ رکھتے ہیں کہ چاہے کچھ ہو جائے مانگوں گا نہیں تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کو غنی کر دے گا۔ علیٰ ہٰذا القیاس، کسی امتحان میں اگر آپ نے ارادہ کر لیا کہ میں بہر حال استقامت دکھاؤں گا، گردن نہیں جھکاؤں گا تو اللہ تعالیٰ آپ کے اندر وہ صبر و استقامت پیدا کر دے گا جو آپ کو بہت اونچا آدمی بنا دے گا۔ بہر حال، کوشش آپ کی طرف سے ہونی چاہیے۔ آخر میں بتا دیا کہ سب سے وسیع تر نعمت جو خدا سے مل سکتی ہے، وہ صبر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ سارا دین دو ستونوں پر قائم ہے، آدھا شکر پر اور آدھا صبر پر۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنبَرِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ: اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى، وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنفِقَةُ، وَالسُّفْلٰى هِيَ السَّائِلَةُ.

''حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے صدقہ پر ابھارتے اور سوال سے احتراز کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ اوپر والا ہاتھ بہتر ہے نیچے والے ہاتھ سے۔ اوپر والے ہاتھ سے مطلب خرچ کرنے والا اور نیچے والے ہاتھ سے مراد

مانگنے والا ہے۔‘‘

وضاحت

’والید العلیا ھی المنفقۃ والسفلٰی ھی السائلۃ‘، میرے نزدیک راوی کی طرف سے شرح ہے۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صرف اوپر والا ٹکڑا، یعنی ’الید العلیا خیر من الید السفلٰی‘ ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ دینے والے ہاتھ کو لینے والے ہاتھ پر درجے اور مرتبے کے لحاظ سے ترجیح حاصل ہے۔اس حدیث میں اس بات کی تلقین ہے کہ آدمی کو جب تک برداشت کر سکے، صبر کر سکے، مانگنے سے گریز کرنا چاہیے۔اوپر والی حدیث میں یہ بات آچکی ہے کہ جو شخص اپنی خودداری کو بچانا چاہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی خودداری کو محفوظ رکھے گا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَیْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَ اِلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعَطَاءٍ فَرَدَّهُ عُمَرُ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لِمَ رَدَدْتَّهُ؟ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَلَیْسَ أَخْبَرْتَنَا أَنَّ خَیْرًا لِأَحَدِنَا أَنْ لَا یَأْخُذَ مِنْ أَحَدٍ شَیْئًا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا ذٰلِكَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ، فَأَمَّا مَا كَانَ عَنْ غَیْرِ مَسْئَلَةٍ فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ یَرْزُقُكَهُ اللّٰهُ، فَقَالَ عُمَرُ: أَمَا وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ لَا أَسْأَلُ أَحَدًا شَیْئًا، وَلَا یَاتِیْنِی مِنْ غَیْرِ مَسْئَلَةٍ شَیْءٌ إِلَّا أَخَذْتُهُ.

’’عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی چیز بھیجی تو حضرت عمر نے لوٹا دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے یہ کیوں لوٹا دی؟ تو انھوں نے کہا: کیا آپ نے یہ بات نہیں فرمائی تھی کہ ہمارے لیے بہتر ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص کسی سے کوئی چیز قبول نہ کرے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تو اس شکل کے لیے ہے کہ جب کوئی آدمی سوال کرے، مگر بغیر سوال کیے کوئی چیز ملے تو وہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ

تمھیں دیتا ہے، تو اس پر حضرت عمر نے کہا کہ خدا کی قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے، اب میں کسی سے مانگوں گا تو نہیں، لیکن اگر کوئی چیز بن مانگے ملے گی تو اس کو قبول کروں گا۔‘‘

وضاحت

اس میں شبہ نہیں کہ بن مانگے جو چیز ملے، وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رزق ہے، البتہ نہ مانگنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ دل میں اس کی تمنا نہیں ہونی چاہیے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کے لیے دل شکنی کرنا مشکل ہو جاتا ہے تو دل شکنی نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی چیز کو خواہ مخواہ رد نہیں کرنا چاہیے، لیکن نہ اس کا طالب ہونا چاہیے نہ خواہش مند۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حَدَّثَنِیُ عَنُ مَالِكٍ عَنُ أَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْأَعُرَجِ عَنُ أَبِیُ هُرَيُرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِیُ نَفُسِیُ بِيَدِهِ، لَأَنُ يَأُخُذَ أَحَدُكُمُ حَبُلَهُ فَيَحُتَطِبَ عَلٰى ظَهُرِهِ خَيُرٌ مِنُ أَنُ يَأُتِیَ رَجُلًا أَعُطَاهُ اللّٰهُ مِنُ فَضُلِهِ فَيَسُأَلُهُ أَعُطَاهُ أَوُ مَنَعَهُ.

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے، یہ بات کہ تم میں سے کوئی رسی اٹھائے اور لکڑیاں جمع کر کے اپنی پیٹھ پر ڈھو کر لائے بہتر ہے اس بات سے کہ وہ کسی ایسے شخص کے پاس جس کو خدا نے کچھ دیا ہے، آئے اور اس سے مانگے تو وہ چاہے اس کو دے یا نہ دے۔‘‘

وضاحت

یہ صحیح مومنانہ کردار کی تعلیم ہے۔ مانگنے سے حتی الامکان احتراز کرنا چاہیے۔ البتہ وہ سوال اس سے مستثنیٰ ہو گا جو قومی، دینی، اصلاحی اور رفاہی کاموں کے لیے کیا جائے، اگرچہ اس میں خطرات بہت ہیں۔ اسلام میں اس قسم کے اداروں کی کفالت کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔ عوام کے ہاتھوں میں آ کر یہ کام تجارت کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے۔

لیکن جن ممالک میں صحیح قسم کی حکومت رہی ہے، وہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اچھے اہل دین لوگوں کو بھی جھولی اٹھا کر دوسروں کے سامنے چندہ مانگنے کے لیے جانا پڑتا ہے۔

حَدَّثَنِیُ عَنُ مَالِكٍ عَنُ زَیُدِ بُنِ أَسُلَمَ عَنُ عَطَاءِ بُنِ یَسَارٍ عَنُ رَجُلٍ مِنُ بَنِیُ أَسَدٍ اَنَّهُ قَالَ: نَزَلْتُ أَنَا وَ أَهُلِیُ بِبَقِیعِ الْغَرُقَدِ، فَقَالَ لِیُ أَهُلِیُ: إِذُهَبُ إِلٰی رَسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ فَاسُأَلُهُ لَنَا شَیُئًا نَأُكُلُهُ وَجَعَلُوُا یَذُكُرُوُنَ مِنُ حَاجَتِهِمُ، فَذَهَبُتُ إِلٰی رَسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدُتُّ عِنُدَهُ رَجُلًا یَسُأَلُهُ وَ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ یَقُوُلُ: لَا أَجِدُ مَا أُعُطِیُكَ فَتَوَلَّی الرَّجُلُ عَنُهُ وَهُوَ مُغُضِبٌ وَهُوَ یَقُوُلُ: لَعَمُرِیُ إِنَّكَ لَتُعُطِیُ مَنُ شِئُتَ، فَقَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهُ لَیَغُضَبُ عَلَیَّ أَنُ لَا أَجِدَ مَا أُعُطِیُهِ مَنُ سَأَلَ مِنُكُمُ وَلَهُ أُوقِیَةٌ أَوُ عَدُلُهَا فَقَدُ سَأَلَ إِلُحَافًا ـــ قَالَ الْأَسَدِیُّ: فَقُلْتُ: اللُّقُحَةُ لَنَا خَیُرٌ مِنُ أُوقِیَةٍ. قَالَ مَالِكٌ: وَالْأُوقِیَةُ أَرُبَعُوُنَ دِرُهَمًا ـــ فَرَجَعُتُ وَلَمُ أَسُأَلُهُ فَقُدِمَ عَلٰی رَسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ بَعُدَ ذٰلِكَ بِشَعِیرٍ وَزَبِیبٍ فَقَسَمَ لَنَا مِنُهُ حَتّٰی أَغُنَانَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ.

وَ عَنُ مَالِكٍ عَنِ الْعُلَاءِ بُنِ عَبُدِ الرَّحُمٰنِ أَنَّهُ سَمِعَهُ یَقُوُلُ: مَا نَقَصَتُ صَدَقَةٌ مِنُ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبُدًا بِعَفُوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ عَبُدٌ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ. قَالَ مَالِكٌ: لَا أَدُرِیُ أَیُرُفَعُ هٰذَا الْحَدِیُثُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ أَمُ لَا.

''عطاء بن یسار بنی اسد کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں اور میرے گھر والے بقیع غرقد میں اترے۔ گھر والوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے

سوال کرو کہ ہمیں کچھ کھانے کو دیں، اور وہ اپنی ضرورت بیان کرنے لگے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں دیکھا کہ ایک شخص آپ سے کچھ سوال کر رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو فرما رہے ہیں کہ بھئی! میرے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ نہیں۔ وہ شخص وہاں سے مڑا اور غصے میں تھا اور یہ کہہ رہا تھا: خدا کی قسم، آپ تو اس کو دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھیے، یہ شخص میرے اوپر غصہ اس بات پر ہو رہا ہے کہ میرے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، اور جس نے تم میں سے سوال کیا جب کہ اس کے پاس ایک اوقیہ یا اس کے برابر مال ہے تو اس کا سوال الحافاً قرار پائے گا ـــــ اسدی شخص کہتا ہے کہ میں نے (دل میں) کہا کہ ہماری دودھ دینے والی اونٹنی تو ایک اوقیہ سے بہتر ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے ـــــ پس میں وہاں سے پلٹ آیا اور میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں مانگا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ جو اور منقیٰ آئے تو آپ نے ہمارے لیے بھی اس میں سے بھیجا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مستغنی کر دیا۔

امام مالک علاء بن عبدالرحمٰن کے بارے میں بتاتے ہیں کہ انھوں نے ان کو یہ فرماتے سنا کہ کسی مال میں سے صدقہ اس میں کمی نہیں کرتا اور جو شخص عفو و درگذر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی عزت ہی میں اضافہ کرتا ہے۔ اور جو شخص تواضع کی راہ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہے کہ نہیں۔''

وضاحت

اس حدیث میں عطاء بن یسار بنی اسد کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے اس شخص کا نام نہیں لیا ہے۔ محدثین کے اصول کے مطابق اس روایت میں یہ ضعف کا پہلو ہے۔ اس کو صرف امام نسائی نے لیا ہے اور کسی نے نہیں لیا۔ امام مالک علاء بن عبدالرحمٰن سے روایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ انھیں یہ معلوم نہیں کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہے کہ نہیں، گویا امام مالک سندوں کو اہمیت نہیں دیتے، بلکہ بات کو اہمیت دیتے ہیں، اس

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لیے کہ سندوں میں لپیٹ کر نہ جانے کیا کیا زہر دیا جا سکتا ہے، لیکن بات اگر وزن دار ہوتی ہے، اس کو دل قبول کرتا ہے تو یہ خود اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ کلام بہر حال کسی پاکیزہ منبع سے نکلا ہے۔

'بقیع غرقد' مسجد نبوی کے قرب میں ایک مقام ہے جس میں قبرستان بھی ہے۔

'إلحاف' کے معنی لپٹ کر اور پیچھے پڑ کر سوال کرنے کے ہیں۔ 'لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا' (وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے) میں اصل مقصود سوال کرنے کی نفی ہے۔ 'اِلْحَافًا' کی قید اس کے ساتھ صرف سوال کرنے والوں کی عام حالت کی تصویر اور اس کے گھنونے پن کے اظہار کے لیے لگائی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی ایک اوقیہ کے برابر مال رکھتے ہوئے اگر سوال کرے گا تو وہ پیچھے پڑ کر مانگنے والے غیر مستحق سائل کے حکم میں ہوگا۔ راوی نے جب یہ سنا تو سوچا کہ میری اونٹنی کی مالیت تو اس سے زیادہ ہے۔ پھر میں کیوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کروں۔ چنانچہ وہ بغیر اپنا مدعا بیان کیے گھر والوں کے پاس لوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرورت اس طرح پوری کر دی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ جو اور منقی تقسیم کے لیے آ گئے تو آپ نے اس مسافر گھرانے کو بھی حصہ بھجوایا۔

امام مالک نے اوقیہ کی مقدار یہ بتائی کہ یہ چالیس درہم کے برابر ہے۔ یہ تعریف المجھول بالمجھول ہے۔ درہم کے نرخ بدلتے رہتے ہیں، بلکہ ہر چیز کے نرخ بدلتے رہتے ہیں، اس لیے آپ کوئی حساب ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتے۔ موجودہ تمدن کے دور میں ضروری ہے کہ اس طریقہ کی تمام چیزوں میں زیادہ سے زیادہ یکسانی پیدا کر دی جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو بہت مفید ہوگا۔

(تدبر حدیث ۱ ۵۳-۵۳۷)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

معز امجد
ترجمہ وتدوین: شاہد رضا

انصاری خواتین کی بیعت اسلام

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عَنْ أُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ نُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَقُلْنَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، نُبَايِعُكَ عَلٰى أَنْ لَا نُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا نَسْرِقَ وَلَا نَزْنِيَ وَلَا نَقْتُلَ أَوْلَادَنَا وَلَا نَأْتِيَ بِبُهْتَانٍ نَفْتَرِيْهِ بَيْنَ أَيْدِيْنَا وَأَرْجُلِنَا وَلَا نَعْصِيَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ، قَالَتْ: فَقُلْنَ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَرْحَمُ بِنَا مِنْ أَنْفُسِنَا هَلُمَّ نُبَايِعْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّيْ لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ إِنَّمَا قَوْلِيْ لِمِائَةِ إِمْرَأَةٍ كَقَوْلِيْ لِإِمْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ.

حضرت امیمہ بنت رقیقہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں انصاری خواتین کے ایک گروہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی[۱]، یہ خواتین آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس دین اسلام پر بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئی تھیں۔ انھوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)

سے عرض کیا: یارسول اللہ، ہم آپ سے اس بات پر بیعت کرتی ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، اپنے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گی[2] اور بھلائی کے کسی معاملے میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاں تک تمھاری طاقت اور قدرت میں ہو[3]۔ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ، اللہ اور اس کا رسول خود ہم سے زیادہ ہم پر رحم کرنے والا ہے، اپنا ہاتھ دیجیے تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں خواتین سے ہاتھ نہیں ملاتا[4]۔ میرا سو خواتین سے کہنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ (ان میں سے) ہر ایک خاتون سے کہنا[5]۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ترجمے کے حواشی

۱۔ قبولیت اسلام کے حوالے سے یہ وہی بیعت ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ ممتحنہ (۶۰) کی آیت ۱۲ میں حکم ہوا ہے۔

۲۔ اصل میں 'لَا نَأْتِیَ بِبُهْتَانٍ نَفْتَرِیْهِ بَیْنَ أَیْدِیْنَا وَأَرْجُلِنَا' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کے معنی ہیں کہ ہم بہتان نہیں باندھیں گی اور جنسی اسکینڈل نہیں بنائیں گی۔

۳۔ تمام دینی احکام قدرت اور استطاعت کی شرط پر مبنی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو اس بات کی نصیحت فرمائی ہے کہ ان سے صرف اس بات کا تقاضا کیا گیا ہے کہ جہاں تک قدرت اور استطاعت ہو، وہ میرے احکام کی پیروی کریں۔ ذمہ داری کے حوالے سے یہ شرط ایک عام اصول پر مبنی ہے، یہ اصول قرآن مجید میں 'لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'، ''اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا'' (البقرہ ۲: ۲۸۶) کے الفاظ میں مذکور ہے۔

۴۔ ہاتھ ملانے کی ممانعت کو کوئی حکم شرعی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ چونکہ یہ عمل معاشرتی اقدار اور تزکیۂ نفس کے لحاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ ذاتی اوصاف کے خلاف تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے دوران ان خواتین سے ہاتھ ملانے سے احتراز فرمایا۔

۵۔ اس لیے جو میں نے تم سب کو حکم دیا ہے، اور جو تم نے اجتماعی طور پر مجھ سے عہد کیا ہے، اسے ایسے ہی سمجھو،

جیسے میں نے تم سے ہر ایک کو فرداً فرداً حکم دیا ہے، اور اس بیعت کو ایسے ہی سمجھو، جیسے یہ میں نے تم میں سے ہر ایک سے فرداً فرداً لی ہے۔

متون

یہ روایت بعض اختلافات کے ساتھ موطا امام مالک، رقم ۱۷۷۵؛ ابن ماجہ، رقم ۲۸۷۴؛ ترمذی، رقم ۱۵۹۷؛ نسائی، رقم ۴۱۸۱، ۴۱۹۰؛ احمد، رقم ۲۷۰۵۱-۲۷۰۵۴، ۲۷۱۰۷؛ ابن حبان، رقم ۴۵۵۳؛ سنن النسائی الکبریٰ، رقم ۷۸۰۴، ۷۸۱۳، ۸۷۱۳، ۸۷۲۵، ۱۱۵۸۹؛ بیہقی، رقم ۱۶۳۴۵؛ مسند الحمیدی، رقم ۳۴۱، ۳۶۸ اور عبدالرزاق، رقم ۹۸۲۶ میں روایت کی گئی ہے۔

'من الأنصار' (انصار میں سے) کے الفاظ نسائی، رقم ۴۱۸۱ میں روایت کیے گئے ہیں۔ بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۲۷۰۵۲ میں ان الفاظ کے بجاے 'من المسلمین' (مسلمانوں میں سے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۲۷۰۵۲ میں 'فیما استطعتن وأطقتن' (جہاں تک تمھاری طاقت اور قدرت میں ہو) کے الفاظ کے بجاے 'فیما استطعتن وأطعتن' (جہاں تک تمھاری طاقت ہو اور جہاں تک تم اطاعت کر سکو) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۲۷۰۵۲ میں 'إنی لاأصافح النساء. إنما قولی لمائة إمرأة کقولی لإمرأة واحدة' (میں خواتین سے ہاتھ نہیں ملاتا۔ میرا سو خواتین سے کہنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ (ان میں سے) ہر ایک خاتون سے کہنا) کے الفاظ کے بجاے 'إذھبن فقد بایعتکن. إنما قولی لمائة إمرأة کقولی لإمرأة واحدة. قالت: ولم یصافح رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم منا إمرأة' (اب تم سب جا سکتی ہو، میں نے تم سے بیعت لے لی ہے۔ میرا سو خواتین سے کہنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ (ان میں سے) ہر ایک خاتون سے کہنا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں: (بیعت لینے کے دوران) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں سے کسی خاتون سے ہاتھ نہیں ملایا) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً مسند الحمیدی، رقم ۳۴۱ میں 'إنی لا أصافح النساء' (میں خواتین کے ساتھ ہاتھ نہیں ملاتا) کے الفاظ کے بجاے 'إنی لا أصافحکن' (میں تم سے ہاتھ نہیں ملاؤں گا) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ جبکہ مسند الحمیدی، رقم ۳۶۸ میں یہ الفاظ 'أنی لا أصافحکن. إنما آخذ علیکن ما أخذ اللّٰه عز و جل'

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

(میں تم سے ہاتھ نہیں ملاؤں گا۔ میں نے تم سے وہی بیعت لی ہے جو اللہ عزوجل نے تم سے لی ہے) روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً احمد، رقم ۲۷۰۵۲ میں 'إنما قولی لمائة إمرأة كقولی لإمرأة واحدة' (میرا سو خواتین سے کہنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ (ان میں سے) ہر ایک خاتون سے کہنا) کے الفاظ کے بجائے 'إنما قولی لإمرأة قولی لمائة إمرأة' (میرا ایک خاتون سے کہنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ سو خواتین سے کہنا) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

بعض روایات، مثلاً موطا امام مالک، رقم ۱۷۷۵ میں 'كقولی لإمرأة واحدة' (جیسا کہ میرا ایک خاتون سے کہنا) کے الفاظ کے بجائے ان کے مترادف الفاظ 'مثل قولی لإمرأة واحدة' (جیسا کہ میرا ایک خاتون سے کہنا) روایت کیے گئے ہیں۔

احمد، رقم ۲۷۱۰۳ میں یہ روایت قدرے مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے:

عن عائشة بنت قدامة قالت: أنا مع أمی رائطة بنت سفيان الخزاعية والنبی صلی اللّٰه عليه وسلم يبايع النسوة ويقول: أبايعكن علی أن لا تشركن باللّٰه شيئًا ولا تسرقن ولا تزنين ولا تقتلن أولادكن ولا تأتين ببهتان تفترينه بين أيديكن وأرجلكن ولا تعصين فی معروف. قالت: فاطرقن. فقال لهن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم : قلن نعم فيما استطعتن، فكن يقلن وأقول معهن.

''حضرت عائشہ بنت قدامہ کہتی ہیں کہ میں اپنی والدہ رائطہ بنت سفیان الخزاعیہ کے ساتھ تھی، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے فرما رہے تھے: میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی، چوری نہیں کرو گی، زنا نہیں کرو گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی، اپنے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر نہیں لاؤ گی اور بھلائی کے کسی معاملے میں میری نافرمانی نہیں کرو گی۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ عورتیں خاموش رہیں، پھر ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سب 'ہاں' کہو، جہاں تک تم استطاعت رکھتی ہو۔ چنانچہ ان سب نے یہ کہا اور میں نے بھی ان کے ساتھ یہ کہا۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دین و دانش

جاوید احمد غامدی

اسلام اور ریاست ــــ ایک جوابی بیانیہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اِس وقت جو صورت حال بعض انتہا پسند تنظیموں نے اپنے اقدامات سے اسلام اور مسلمانوں کے لیے پوری دنیا میں پیدا کر دی ہے، یہ اُسی فکر کا مولود فساد ہے جو ہمارے مذہبی مدرسوں میں پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے، اور جس کی تبلیغ اسلامی تحریکیں اور مذہبی سیاسی جماعتیں شب و روز کرتی ہیں۔ اِس کے مقابل میں اسلام کا صحیح فکر کیا ہے؟ اِس کو ہم نے اپنی کتاب ''میزان'' میں دلائل کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ یہ درحقیقت ایک جوابی بیانیہ (counter narrative) ہے اور ہم نے بارہا کہا ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے میں مذہب کی بنیاد پر فساد پیدا کر دیا جائے تو سیکولرازم کی تبلیغ نہیں، بلکہ مذہبی فکر کا ایک جوابی بیانیہ ہی صورت حال کی اصلاح کر سکتا ہے۔ اِس کی تفصیلات کے لیے تو ہماری اِس کتاب ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، لیکن اِس کا جو حصہ اسلام اور ریاست سے متعلق ہے، اُس کا ایک خلاصہ ہم یہاں پیش کر رہے ہیں:

۱۔ اسلام کی دعوت اصلاً فرد کے لیے ہے۔ وہ اُسی کے دل و دماغ پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے جو احکام معاشرے کو دیے ہیں، اُس کے مخاطب بھی درحقیقت وہ افراد ہیں جو مسلمانوں کے معاشرے میں ارباب حل و عقد کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری پوری کر رہے ہوں۔ لہٰذا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ ریاست کا بھی کوئی مذہب ہوتا ہے اور اُس کو بھی کسی قرارداد مقاصد کے ذریعے سے مسلمان کرنے اور آئینی طور پر اِس کا پابند بنانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اُس میں کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ یہ خیال جن لوگوں نے پیش کیا اور اِسے منوانے میں کامیابی حاصل کی ہے، اُنھوں نے اِس زمانے کی قومی ریاستوں میں مستقل تفرقے کی بنیاد رکھ دی اور

اُن میں بسنے والے غیر مسلموں کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ درحقیقت دوسرے درجے کے شہری ہیں جن کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک محفوظ اقلیت (protected minority) کی ہے اور ریاست کے اصل مالکوں سے وہ اگر کسی حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں تو اِسی حیثیت سے کر سکتے ہیں۔

۲۔ جن ملکوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہ اپنی ایک ریاست ہاے متحدہ قائم کر لیں۔ یہ ہم میں سے ہر شخص کا خواب ہو سکتا ہے اور ہم اِس کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی جدوجہد بھی کر سکتے ہیں، لیکن اِس خیال کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ یہ اسلامی شریعت کا کوئی حکم ہے جس کی خلاف ورزی سے مسلمان گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ہرگز نہیں، نہ خلافت کوئی دینی اصطلاح ہے اور نہ عالمی سطح پر اِس کا قیام اسلام کا کوئی حکم ہے۔ پہلی صدی ہجری کے بعد ہی، جب مسلمانوں کے جلیل القدر فقہا اُن کے درمیان موجود تھے، اُن کی دو سلطنتیں، دولت عباسیہ بغداد اور دولت امویہ اندلس کے نام سے قائم ہو چکی تھیں اور کئی صدیوں تک قائم رہیں، مگر اُن میں سے کسی نے اِسے اسلامی شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی قرار نہیں دیا، اِس لیے کہ اِس معاملے میں سرے سے کوئی حکم قرآن و حدیث میں موجود ہی نہیں ہے۔ اِس کے برخلاف یہ بات سب نے کہی اور ہم بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا نظم اجتماعی اگر کسی جگہ قائم ہو جائے تو اُس سے خروج ایک بدترین جرم ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اُس کے مرتکبین جاہلیت کی موت مریں گے۔*

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۳۔ اسلام میں قومیت کی بنیاد اسلام نہیں ہے، جس طرح کے عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں کسی جگہ یہ نہیں کہا گیا کہ مسلمان ایک قوم ہیں یا اُنھیں ایک ہی قوم ہونا چاہیے، بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ 'اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'** (مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ قرآن کی رو سے مسلمانوں کا باہمی رشتہ قومیت کا نہیں، بلکہ اخوت کا ہے۔ وہ دسیوں اقوام، ممالک اور ریاستوں میں تقسیم ہونے کے باوجود ایمان کے رشتے سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اِس لیے یہ تقاضا تو اُن سے کیا جا سکتا ہے اور کرنا چاہیے کہ وہ اپنے بھائیوں کے حالات کی خبر رکھیں، اُن کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں اُن کے کام آئیں، وہ مظلوم ہوں تو اُن کی مدد کریں، معاشی اور معاشرتی روابط کے لیے اُن کو ترجیح دیں اور اُن پر اپنے دروازے کسی حال میں بند نہ کریں، مگر یہ تقاضا نہیں کیا جا سکتا کہ اپنی قومی ریاستوں اور قومی شناخت سے دست بردار ہو کر لازماً ایک ہی قوم اور ایک ہی ریاست بن جائیں۔ وہ جس طرح اپنی الگ الگ قومی ریاستیں قائم کر سکتے ہیں، اُسی طرح دین و شریعت پر عمل کی آزادی ہو تو غیر مسلم ریاستوں میں شہری کی حیثیت سے

* بخاری، رقم ۷۰۵۳-۷۰۵۴۔

** الحجرات ۴۹: ۱۰۔

اور وطن کی بنیاد پر ایک قوم بن کر بھی رہ سکتے ہیں۔ اِن میں سے کوئی چیز قرآن و حدیث کی رو سے ناجائز نہیں ہے۔

۴۔ دنیا میں جو لوگ مسلمان ہیں، اپنے مسلمان ہونے کا اقرار، بلکہ اُس پر اصرار کرتے ہیں، مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علما یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے، اُن کے اِس عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے، اُسے ضلالت اور گمراہی بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن اُس کے حاملین چونکہ قرآن و حدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں، اِس لیے اُنھیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اِس طرح کے عقائد و اعمال کے بارے میں خدا کا فیصلہ کیا ہے؟ اِس کے لیے قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔ دنیا میں اِن کے حاملین اپنے اقرار کے مطابق مسلمان ہیں، مسلمان سمجھے جائیں گے اور اُن کے ساتھ تمام معاملات اُسی طرح ہوں گے، جس طرح مسلمانوں کی جماعت کے ایک فرد کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ علما کا حق ہے کہ اُن کی غلطی اُن پر واضح کریں، اُنھیں صحیح بات کے قبول کرنے کی دعوت دیں، اُن کے عقائد و نظریات میں کوئی چیز شرک ہے تو اُسے شرک اور کفر ہے تو اُسے کفر کہیں اور لوگوں کو بھی اُس پر متنبہ کریں، مگر اُن کے متعلق یہ فیصلہ کہ وہ مسلمان نہیں رہے یا اُنھیں مسلمانوں کی جماعت سے الگ کر دینا چاہیے، اِس کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے، اِس لیے کہ یہ حق خدا ہی دے سکتا تھا اور قرآن و حدیث سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ اُس نے یہ حق کسی کو نہیں دیا ہے۔

۵۔ شرک، کفر اور ارتداد یقیناً سنگین جرائم ہیں، لیکن اِن کی سزا کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو نہیں دے سکتا۔ یہ خدا کا حق ہے۔ قیامت میں بھی اِن کی سزا وہی دے گا اور دنیا میں بھی، اگر کبھی چاہے تو وہی دیتا ہے۔ قیامت کا معاملہ اِس وقت موضوع بحث نہیں ہے۔ دنیا میں اِس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم میں اپنی عدالت کے ظہور کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو اُس کی طرف اپنا رسول بھیجتے ہیں۔ یہ رسول اُس قوم پر اتمام حجت کرتا ہے، یہاں تک کہ کسی کے پاس خدا کے حضور میں پیش کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ اِس کے بعد خدا کا فیصلہ صادر ہوتا ہے اور جو لوگ اِس طرح اتمام حجت کے بعد بھی کفر و شرک پر اصرار کریں، اُنھیں اِسی دنیا میں سزا دی جاتی ہے۔ یہ ایک سنت الٰہی ہے جسے قرآن نے اِس طرح بیان فرمایا ہے کہ ''ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے۔ پھر جب اُن کا رسول آ جاتا ہے تو اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔''* اِس کی نوعیت بالکل وہی ہے جو اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی اور واقعۂ خضر میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ اِس کا عام انسانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم جس طرح کسی غریب کی مدد کے لیے اُس کی اجازت کے بغیر اُس کی کشتی میں شگاف نہیں

* یونس ۱۰: ۴۷۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ڈال سکتے، کسی بچے کو والدین کا نافرمان دیکھ کر اُس کو قتل نہیں کر سکتے، اپنے کسی خواب کی بنیاد پر ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنے بیٹے کے گلے پر چھری نہیں رکھ سکتے، اُسی طرح کسی شخص کو اُس کے شرک، کفر یا ارتداد کی سزا بھی نہیں دے سکتے، اِلّا یہ کہ وحی آئے اور خدا اپنے کسی رسول کے ذریعے سے براہ راست اِس کا حکم دے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اِس کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔

۶۔ اِس میں شبہ نہیں کہ جہاد اسلام کا حکم ہے۔ قرآن اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے کہ اُن کے پاس طاقت ہو تو وہ ظلم و عدوان کے خلاف جنگ کریں۔ قرآن میں اِس کی ہدایت اصلاً فتنہ کے استیصال کے لیے کی گئی ہے۔ اِس کے معنی کسی شخص کو ظلم و جبر کے ساتھ اُس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کے ہیں۔ یہی چیز ہے جسے انگریزی زبان میں 'persecution' کہا جاتا ہے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہ حکم اُن کی انفرادی حیثیت میں نہیں، بلکہ بحیثیت جماعت دیا گیا ہے۔ اِس کی جو آیتیں قرآن میں آئی ہیں، وہ اپنی انفرادی حیثیت میں اُن کے مخاطب ہی نہیں ہیں۔ لہٰذا اِس معاملے میں کسی اقدام کا حق بھی اُن کے نظم اجتماعی کو حاصل ہے۔ اُن کے اندر کا کوئی فرد یا گروہ ہرگز یہ حق نہیں رکھتا کہ اُن کی طرف سے اِس طرح کے کسی اقدام کا فیصلہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی بنا پر فرمایا ہے کہ مسلمانوں کا حکمران اُن کی سپر ہے، جنگ اُسی کے پیچھے رہ کر کی جاتی ہے۔*

۷۔ اسلام جس جہاد کا حکم دیتا ہے، وہ خدا کی راہ میں جنگ ہے، اِس لیے اخلاقی حدود سے بے پروا ہو کر نہیں کیا جا سکتا۔ اخلاقیات ہر حال میں اور ہر چیز پر مقدم ہیں اور جنگ و جدال کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے اُن سے انحراف کی اجازت کسی شخص کو نہیں دی۔ چنانچہ یہ بالکل قطعی ہے کہ جہاد صرف مقاتلین (combatants) سے کیا جاتا ہے۔ اسلام کا قانون یہی ہے کہ اگر کوئی زبان سے حملہ کرے گا تو اُس کا جواب زبان سے دیا جائے گا، لڑنے والوں کی مالی مدد کرے گا تو اُس کو مدد سے روکا جائے گا، لیکن جب تک وہ ہتھیار اٹھا کر لڑنے کے لیے نہیں نکلتا، اُس کی جان نہیں لی جا سکتی۔ یہاں تک کہ عین میدان جنگ میں بھی وہ اگر ہتھیار پھینک دے تو اُسے قیدی بنایا جائے گا، اُس کے بعد اُسے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن میں جہاد کا حکم جس آیت میں دیا گیا ہے، اُس کے الفاظ ہی یہ ہیں کہ ''اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں اور اِس میں کوئی زیادتی نہ کرو، اِس لیے کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''** نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے دوران میں عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔*** اِس کی وجہ

* بخاری، رقم ۲۹۵۷۔

** البقرہ ۲: ۱۹۰۔

*** بخاری، رقم ۳۰۱۵۔ مسلم، رقم ۱۷۴۴۔

بھی یہی ہے کہ وہ اگر جنگ کرنے والوں کے ساتھ نکلے بھی ہوں تو بالعموم مقاتل نہیں ہوتے، زیادہ سے زیادہ لڑنے والوں کا حوصلہ بڑھا سکتے اور زبان سے اُنھیں لڑنے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔

۸۔ دور حاضر کے مغربی مفکرین سے صدیوں پہلے قرآن نے اعلان کیا تھا کہ 'اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ'* (مسلمانوں کا نظم اجتماعی اُن کے باہمی مشورے پر مبنی ہوگا)۔ اِس کے صاف معنی یہ تھے کہ مسلمانوں کی حکومت اُن کے مشورے سے قائم ہوگی۔ نظام مشورے ہی سے وجود میں آئے گا۔ مشورہ دینے میں سب کے حقوق برابر ہوں گے۔ جو کچھ مشورے سے بنے گا، وہ مشورے سے توڑا بھی جا سکے گا۔ جس چیز کو وجود میں لانے کے لیے مشورہ کیا جائے گا، ہر شخص کی راے اُس کے وجود کا حصہ بنے گی۔ اجماع و اتفاق سے فیصلہ نہ ہو سکے تو فصل نزاعات کے لیے اکثریت کی راے قبول کر لی جائے گی۔

یہی جمہوریت ہے۔ چنانچہ آمریت کسی خاندان کی ہو یا کسی طبقے، گروہ یا قومی ادارے کی، کسی حال میں بھی قبول نہیں کی جا سکتی، یہاں تک کہ نظم اجتماعی سے متعلق دینی احکام کی تعبیر و تشریح کے لیے دینی علوم کے ماہرین کی بھی نہیں۔ وہ یہ حق یقیناً رکھتے ہیں کہ اپنی تشریحات پیش کریں اور اپنی آرا کا اظہار کریں، مگر اُن کے موقف کو لوگوں کے لیے واجب الاطاعت قانون کی حیثیت اُسی وقت حاصل ہوگی، جب عوام کے منتخب نمایندوں کی اکثریت اُسے قبول کر لے گی۔ جدید ریاست میں پارلیمان کا ادارہ اسی مقصد سے قائم کیا جاتا ہے۔ ریاست کے نظام میں آخری فیصلہ اُسی کا ہے اور اُسی کا ہونا چاہیے۔ لوگوں کا حق ہے کہ پارلیمان کے فیصلوں پر تنقید کریں اور اُن کی غلطی واضح کرنے کی کوشش کرتے رہیں، لیکن اُن کی خلاف ورزی اور اُن سے بغاوت کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ علما ہوں یا ریاست کی عدلیہ، پارلیمان سے کوئی بالاتر نہیں ہو سکتا۔ 'اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ' کا اصول ہر فرد اور ادارے کو پابند کرتا ہے کہ پارلیمان کے فیصلوں سے اختلاف کے باوجود وہ عملاً اُس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

اسلام میں حکومت قائم کرنے اور اُس کو چلانے کا یہی ایک جائز طریقہ ہے۔ اِس سے ہٹ کر جو حکومت بھی قائم کی جائے گی، وہ ایک ناجائز حکومت ہوگی، خواہ اُس کے سربراہ کی پیشانی پر سجدوں کے نشان ہوں یا اُسے امیر المومنین کے لقب سے نواز دیا جائے۔

۹۔ مسلمانوں کی حکومت اگر کسی جگہ قائم ہو تو اُس سے بالعموم نفاذ شریعت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ یہ تعبیر مغالطہ انگیز ہے، اِس لیے کہ اِس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں حکومت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ شریعت کے تمام احکام ریاست کی طاقت

---

* الشوریٰ ۴۲: ۳۸۔

سے لوگوں پر نافذ کر دے، دراں حالیکہ قرآن و حدیث میں یہ حق کسی حکومت کے لیے بھی ثابت نہیں ہے۔ اسلامی شریعت میں دو طرح کے احکام ہیں: ایک، جو فرد کو بحیثیت فرد دیے گئے ہیں اور دوسرے، جو مسلمانوں کے معاشرے کو دیے گئے ہیں۔ پہلی قسم کے احکام کا معاملہ خدا اور بندے کے درمیان ہے اور وہ اُس میں کسی حکومت کے سامنے نہیں، بلکہ اپنے پروردگار ہی کے سامنے جواب دہ ہے۔ لہٰذا دنیا کی کوئی حکومت اُسے، مثال کے طور پر، روزہ رکھنے یا حج و عمرہ کے لیے جانے یا ختنہ کرانے یا مونچھیں پست رکھنے اور وہ اگر عورت ہے تو سینہ ڈھانپنے، زیب و زینت کی نمایش نہ کرنے یا اسکارف اوڑھ کر باہر نکلنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتی۔ اِس طرح کے معاملات میں تعلیم و تربیت اور تلقین و نصیحت سے آگے اُس کے کوئی اختیارات نہیں ہیں، الّا یہ کہ کسی کی حق تلفی یا جان، مال، آبرو کے خلاف زیادتی کا اندیشہ ہو۔ قرآن نے پوری صراحت کے ساتھ واضح کر دیا ہے کہ دین کے ایجابی احکام میں سے یہ صرف نماز اور زکوٰۃ ہے جس کا مطالبہ مسلمانوں کا کوئی نظم اجتماعی، اگر چاہے تو قانون کی طاقت سے کر سکتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ اِس کے بعد وہ پابند ہے کہ اُن کی راہ چھوڑ دے اور کوئی چیز اُن پر نافذ کرنے کی کوشش نہ کرے*۔ رہے دوسری قسم کے احکام تو وہ درحقیقت دیے ہی حکومت کو گئے ہیں، اِس لیے کہ اجتماعی معاملات میں وہی معاشرے کی نمایندگی کرتی ہے۔ علما اربابِ حل و عقد سے اُن پر عمل کا مطالبہ کریں تو یقیناً حق بجانب ہوں گے اور اپنے منصب کے لحاظ سے اُن کو کرنا بھی چاہیے۔ مگر یہ شریعت پر عمل کی دعوت ہے، نفاذ شریعت کی تعبیر اِس کے لیے بھی موزوں قرار نہیں دی جا سکتی۔

یہ دوسری قسم کے احکام درج ذیل ہیں:

ا۔ مسلمان اپنے حکمرانوں کی رعایا نہیں، بلکہ برابر کے شہری ہوں گے۔ قانون اور ریاست کی سطح پر اُن کے بڑے اور چھوٹے اور شریف اور وضیع کے مابین کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ اُن کے جان و مال اور آبرو کو حرمت حاصل ہو گی، یہاں تک کہ حکومت اُن کی رضا مندی کے بغیر زکوٰۃ کے علاوہ کوئی ٹیکس بھی اُن پر عائد نہیں کر سکے گی۔ اُن کے شخصی معاملات، یعنی نکاح، طلاق، تقسیم وراثت، لین دین اور اِس نوعیت کے دوسرے امور میں اگر کوئی نزاع اُن کے درمیان پیدا ہو جائے گی تو اُس کا فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق ہو گا۔ روز و شب کی نمازوں، ماہ رمضان کے روزوں اور حج و عمرہ کے لیے اُنھیں تمام ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ اُن پر عدل و انصاف کے ساتھ اور 'اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ' کے طریقے پر حکومت کی جائے گی۔ اُن کے قومی املاک اجتماعی ضرورتوں کے لیے خاص رہیں گے، اُنھیں نجی ملکیت میں نہیں دیا جائے گا، بلکہ اِس طرح نشو و نما دی جائے گی کہ جو لوگ معیشت کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں، اُن کی ضرورتیں بھی اِن املاک کی آمدنی سے پوری ہوتی رہیں۔ وہ دنیا سے رخصت ہوں گے تو اُن کی تجہیز و تکفین مسلمانوں کے طریقے پر ہو گی، اُن کا

* التوبہ ۹: ۵۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

جنازہ پڑھا جائے گا اور اُنھیں مسلمانوں کے قبرستان میں اور اُن کے طریقے پر دفن کیا جائے گا۔

ب۔ نماز جمعہ اور نماز عیدین کا اہتمام حکومت کرے گی۔ یہ نمازیں صرف اُنھی مقامات پر ادا کی جائیں گی جو حکومت کی طرف سے اُن کے لیے مقرر کر دیے جائیں گے۔ اِن کا منبر حکمرانوں کے لیے خاص ہو گا۔ وہ خود اِن نمازوں کا خطبہ دیں گے اور اِن کی امامت کریں گے یا اُن کی طرف سے اُن کا کوئی نمایندہ یہ ذمہ داری ادا کرے گا۔ ریاست کے حدود میں کوئی شخص اپنے طور پر اِن نمازوں کا اہتمام نہیں کر سکے گا۔

ج۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے اصلاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ادارے ہوں گے۔ چنانچہ معاشرے کے صالح ترین افراد اِن اداروں کے لیے کارکنوں کی حیثیت سے منتخب کیے جائیں گے۔ وہ لوگوں کو بھلائی کی تلقین کریں گے اور اُن سب چیزوں سے روکیں گے جنھیں انسان ہمیشہ سے برائی سمجھتا رہا ہے۔ تاہم قانون کی طاقت اُسی وقت استعمال کریں گے، جب کوئی شخص کسی کی حق تلفی کرے گا یا اُس کی جان، مال یا آبرو کے خلاف کسی اقدام کے درپے ہو گا۔

د۔ حکومت اپنے دشمنوں کے معاملے میں بھی قائم بالقسط رہے گی۔ حق کہے گی، حق کی گواہی دے گی اور حق و انصاف سے ہٹ کر کبھی کوئی اقدام نہیں کرے گی۔

ہ۔ ریاست کے اندر یا باہر اگر کسی سے کوئی معاہدہ ہوا ہے تو جب تک معاہدہ باقی ہے، لفظ اور معنی، دونوں کے اعتبار سے اُس کی پابندی پوری دیانت اور پورے اخلاص کے ساتھ کی جائے گی۔

و۔ قتل اور فساد فی الارض کے سوا موت کی سزا کسی جرم میں بھی نہیں دی جائے گی۔ نیز ریاست کا کوئی مسلمان شہری اگر زنا، چوری، قتل، فساد فی الارض اور قذف کا ارتکاب کرے گا اور عدالت مطمئن ہو جائے گی کہ اپنے ذاتی، خاندانی اور معاشرتی حالات کے لحاظ سے وہ کسی رعایت کا مستحق نہیں ہے تو اُس پر وہ سزائیں نافذ کی جائیں گی جو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دعوت کو پورے شعور اور شرح صدر کے ساتھ قبول کر لینے کے بعد اِن جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے اپنی کتاب میں مقرر کر دی ہیں۔

ز۔ اسلام کی دعوت کو اقصاے عالم تک پہنچانے کے لیے حکومت کی سطح پر اہتمام کیا جائے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت اگر اِس میں رکاوٹ پیدا کرے گی یا ایمان لانے والوں کو جبر و تشدد کا نشانہ بنائے گی تو حکومت اپنی استطاعت کے مطابق اِس رکاوٹ کو دور کرنے اور اِس تشدد کو روکنے کی کوشش کرے گی، اگرچہ اِس کے لیے تلوار اٹھانی پڑے*۔

* اسلام کے مآخذ میں اِن احکام کے دلائل کے لیے دیکھیے، ہماری کتاب ''میزان''۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۰۔ نظم اجتماعی سے متعلق یہ شریعت کے احکام ہیں اور اِس تنبیہ و تہدید کے ساتھ دیے گئے ہیں کہ جو لوگ خدا کی کتاب کو مان کر اُس میں خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، قیامت کے دن وہ اُس کے حضور میں ظالم، فاسق اور کافر قرار پائیں گے*۔ تاہم مسلمانوں کے ارباب حل و عقد اگر اِس کے باوجود اِس معاملے میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے یا سرکشی اختیار کر لیتے ہیں تو علما و مصلحین کی ذمہ داری اِس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اُنھیں دنیا اور آخرت میں اِس کے نتائج سے خبردار کریں۔ اُنھیں حکمت کے ساتھ اور موعظۂ حسنہ کے اسلوب میں صحیح رویہ اختیار کرنے کی دعوت دیں، اُن کے سوالات کا سامنا کریں، اُن کے اشکالات دور کریں اور دلائل کے ساتھ اُنھیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کیوں دی ہے؟ اجتماعی زندگی کے ساتھ اُس کا کیا تعلق ہے؟ اُس میں احکام کی بنیاد کیا ہے اور دور حاضر کا انسان اُس کو سمجھنے میں دقت کیوں محسوس کرتا ہے؟ اُس کی تفہیم و تبیین کے لیے ایسے اسالیب اختیار کریں جن سے اُس کی حکمت، معنویت اور اُس کے مقاصد اُن پر واضح ہوں اور اُن کے دل و دماغ پورے اطمینان کے ساتھ اُسے قبول کرنے اور اُس پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ قرآن میں اُن کا منصب دعوت و انذار بتایا گیا ہے۔ وہ اپنی قوم اور اُس کے ارباب حل و عقد کے لیے داروغہ نہیں بنائے گئے کہ اپنے پیروکاروں کے جتھے منظّم کر کے بندوق کے زور پر اُنھیں شریعت کا پابند بنانے کی کوشش کریں۔

[۲۰۱۴ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

* المائدہ ۵: ۴۴-۴۷۔

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

(۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

اواخر جمادی الثانی ۲ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی سرگرمیوں کی خبر لینے کے لیے حضرت عبداللہ بن جحش کی سربراہی میں نو مہاجرین کا ایک سریہ روانہ کیا۔ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، حضرت عکاشہ بن محصن، حضرت عتبہ بن غزوان، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت واقد بن عبداللہ، حضرت خالد بن بکیر اور حضرت سہیل بن بیضا اس کے شرکا تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عمار بن یاسر نے بھی اس سریہ میں حصہ لیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد یہ پہلی مہم تھی جس میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ عمرو بن حضرمی پہلا مشرک تھا جو اسلامی فوج کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا، اس طرح عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان دور اسلامی کے اولین جنگی قیدی تھے۔ سریۂ عبداللہ بن جحش کی تاریخ میں بہت اہمیت ہے، کیونکہ اس سریہ کے بعد قریش کا شام سے تجارتی رابطہ منقطع ہو گیا جس سے ان کی معیشت کو سخت دھچکا لگا۔ عمرو بن حضرمی کا قتل مشرکین مکہ پر اس قدر شاق گزرا کہ ان کے بڑے بڑے سورما مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے بدر کے میدان میں پہنچ گئے۔

حضرت عمار بن یاسر نے جنگ بدر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس روز انھوں نے بنوامیہ کے حلیف عامر بن حضرمی، بنو اسد کے حارث بن زمعہ اور بنوجمح کے مشرک سردار امیہ بن خلف کے بیٹے علی کو جہنم رسید کیا۔ حضرت عمار نے بنوتمیم کے ایک سورما کو بھی قتل کیا جس کا نام اہل تاریخ نے بیان نہیں کیا۔ ابوقیس بن فاکہ کو حضرت علی نے انجام تک پہنچایا، تاہم ابن ہشام عمار بن یاسر کو اس کا قاتل بتاتے ہیں۔ حضرت عمار، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود جنگ بدر کی غنیمتوں میں شریک تھے۔ حضرت سعد تو دو قیدی لے آئے، لیکن حضرت عمار اور حضرت

ابن مسعود کے ہاتھ کچھ نہ آیا (ابوداؤد، رقم ۳۳۸۸۔ نسائی، رقم ۳۹۶۹)۔

۳ھ: جنگ احد کے اگلے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد کے تمام شرکا، حتیٰ کہ زخمیوں کو بھی لے کر مدینہ سے سات میل دور حمرا الاسد کے مقام پر گئے اور تین دن قیام کیا۔ طاقت کا اظہار کرنا آپ کا مقصد تھا، اسی لیے ابوسفیان کو، جو پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا، مدینہ کا رخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ واپس لوٹتے ہوئے آپ نے بنوامیہ کے معاویہ بن مغیرہ کو پکڑا جو راستے سے بھٹک گیا تھا۔ اس نے جنگ احد میں سیدنا حمزہ کی ناک کاٹی اور ان کی نعش کا مثلہ کیا تھا۔ مدینہ پہنچ کر اس نے حضرت عثمان کے گھر جا کر امان لے لی۔ ان کی درخواست پر آپ نے اسے تین دن کی مہلت دے دی اور فرمایا: اس کے بعد اگر تو نظر آیا تو تجھے قتل کر دیا جائے گا۔ وہ مدینہ سے نکل کر روپوش ہو گیا تاکہ آپ کی جاسوسی کر سکے، چوتھے دن آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عمار بن یاسر کو اس کے پیچھے بھیجا اور فرمایا: وہ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا، فلاں جگہ چھپا ہوگا، اسے دیکھتے ہی قتل کر دینا۔ حضرت عمار اور حضرت زید نے اسے حمات کے مقام پر جا لیا اور جہنم واصل کر دیا۔ دوسری روایات کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر یا حضرت عاصم بن ثابت کو معاویہ کی گردن اڑانے کا حکم دیا۔

ام المومنین ام سلمہ مخزومی کے پہلے شوہر ابوسلمہ جنگ احد میں زخمی ہوئے اور سریۂ ابوسلمہ میں شرکت کے بعد وفات پائی۔ عدت گزرنے کے بعد وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ گئیں۔ تب زینب ان کی گود میں دودھ پیتی تھیں۔ آپ جب بھی آتے، انھیں دودھ پلاتے دیکھ کر لوٹ جاتے۔ یہ صورت حال (بنومخزوم کے حلیف) حضرت عمار بن یاسر کو بہت کھٹکی۔ چنانچہ انھوں نے زینب کی دودھ پلائی کا انتظام کیا (احمد، رقم ۲۶۶۰۰)۔ ابن جوزی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ام سلمہ کی طرف جاتے دیکھا تو بھاگتے ہوئے گئے، زینب کو ان کی گود سے اٹھا لائے اور کہا: یہ منحوس بچی مجھے دے دو جو رسول پاک کی حاجت میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ آپ آئے تو بچی کو نہ پا کر پوچھا: زینب کہاں ہے؟ ام سلمہ نے بتایا: اسے عمار لے گئے ہیں۔

شوال ۴ھ میں غزوۂ احزاب ہوا جسے جنگ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ مدینہ کے ایک طرف پہاڑیاں اور دوسری طرف مکانات تھے۔ حضرت سلمان فارسی کی تجویز پر تیسری طرف جو کھلی تھی، پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھودی گئی۔ دس دس صحابہ کو چالیس چالیس ذراع (پچیس گز سے کچھ زیادہ) زمین کھودنی تھی۔ حضرت عمار بیماری سے اٹھے تھے اور روزے سے تھے اور اسی حالت میں خندق سے پتھر اور مٹی نکال رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر نے کہا: عمار، تو تو اپنے آپ کو مار ڈالے گا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو عمار سے مخاطب ہوئے، یہ سمجھتے ہیں کہ تو مر جائے گا۔ تمھاری جان تو ایک باغی گروہ لے گا (مسلم، رقم ۷۲۶۴۔ احمد، رقم ۲۲۵۰۸)۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۴ ھ میں بنوغطفان کی شاخوں بنومحارب اور بنوثعلبہ کے بارے میں پتا چلا کہ مدینہ پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار سو صحابہ کا لشکر لے کر ان کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ آپ کے پہنچنے پر وہ منتشر ہو گئے، تاہم ایک مشرک کی بیوی کسی مسلمان کے ہاتھوں ماری گئی۔ اس نے بیوی کا بدلہ لینے کی قسم کھائی اور اسلامی فوج کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ دن ڈھلا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا اور پوچھا: رات کے وقت کون ہماری حفاظت کرے گا؟ ایک مہاجر حضرت عمار بن یاسر اور ایک انصاری حضرت عباد بن بشر رضاکارانہ طور پر آگے بڑھے اور کہا: یا رسول اللہ، ہم پہرہ دیں گے۔ دونوں گھاٹی کے خارجی راستے پر پہنچے، حضرت عباد نے حضرت عمار سے پوچھا: رات کا پہلا یا آخری کون سا حصہ چاہیں گے کہ میں آپ کو آرام کا موقع دوں؟ حضرت عمار نے کہا: پہلے پہر آپ میری جگہ کھڑے ہو جائیں۔ حضرت عمار سو گئے تو حضرت عباد نوافل پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ اسی اثنا میں دشمن فوج کا ایک آدمی ادھر آ گیا اور حضرت عباد کے جسم پر تیر مار دیا۔ حضرت عباد نے تیر کھینچ کر نکال لیا اور کھڑے تلاوت کرتے رہے۔ اس نے دوسری بار تیر مارا، حضرت عباد نے پھر اسے نکال پھینکا اور حالت قیام میں رہے۔ جب اس نے تیسرا تیر پھینکا تو وہ اسے نکال کر رکوع و سجود میں چلے گئے، پھر (سلام پھیر کر) حضرت عمار کو جگایا اور بتایا کہ میں تیر لگنے سے زخمی ہو گیا ہوں۔ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، دشمن کو پتا لگ گیا کہ میں پکڑا جاؤں گا تو وہ بھاگ گیا۔ حضرت عمار نے حضرت عباد کو خون میں لت پت دیکھا تو کہا: آپ نے پہلا نشانہ لگنے پر مجھے کیوں نہ جگایا؟ حضرت عباد بن بشر نے جواب دیا: میں ایک سورت (سورۂ کہف) کی تلاوت کر رہا تھا، اسے مکمل کیے بغیر چھوڑنے کو دل نہ چاہا۔

شعبان ۵ ھ میں خبر پہنچی کہ بنومصطلق کا سردار حارث بن عزار جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے اور دوسرے قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف اکسا رہا ہے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سو صحابہ کے ساتھ بنومصطلق پر حملہ کیا۔ قریش کا علم حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمار بن یاسر کے ہاتھ میں تھا، جبکہ انصار کا پرچم حضرت سعد بن عبادہ نے اٹھا رکھا تھا۔ پہلے آپ کے حکم پر سیدنا عمر نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ وہ نہ مانے، بلکہ الٹا تیراندازی شروع کر دی تو آپ نے یک لخت حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مریسیع کے مقام پر ہونے والے اس غزوہ میں یہودیوں کو سخت ہزیمت اٹھانا پڑی۔ اس موقع پر عبداللہ بن ابی کا گروہ منافقین بھی سرگرم رہا۔ واقعۂ افک عائشہ اسی مہم سے واپسی پر پیش آیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کی سربراہی میں ایک قبیلے کی طرف سریہ روانہ کیا، حضرت عمار بھی اس میں شریک تھے۔ جب وہ قبیلے کے پاس پہنچے تو تمام لوگ بھاگ گئے، البتہ ایک شخص اپنے کنبے سمیت موجود رہا۔ وہ حضرت عمار بن یاسر کے پاس آیا اور پوچھا: کیا مجھے ایمان لانے سے کوئی سہولت ملے گی یا میں بھی قوم

کی طرح فرار ہو جاؤں؟ حضرت عمار نے اسے امان دے دی۔ حضرت خالد آئے تو کہا: آپ کیسے امان دے سکتے ہیں، امیر سریہ تو میں ہوں؟ حضرت عمار نے کہا: میں نے آپ کی طرف سے امان دی ہے۔ دونوں میں یہ تکرار ہوتی رہی تو معاملہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے حضرت عمار کی دی ہوئی امان تو برقرار رکھی، لیکن آیندہ کے لیے منع فرما دیا کہ امیر کے علاوہ کوئی امان دینے کا فیصلہ کرے۔ اس نزاع میں حضرت خالد نے حضرت عمار کو گالی دی تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا: جو عمار سے بغض رکھے گا، اللہ بھی اس سے بغض رکھے گا اور جو عمار کو لعنت ملامت کرے گا، اللہ بھی اس پر لعنت کرے گا (تاریخ دمشق ۴۳/۲۷۶)۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمار بن یاسر بیعت رضوان میں شامل ہوئے۔

۸ھ: فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کیا، تاہم چار مردوں ـــــ عکرمہ بن ابوجہل، عبداللہ (یا عبدالعزیٰ) بن خطل، مقیس بن صبابہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ـــــ اور دو عورتوں ـــــ ہند بنت عتبہ اور ام سارہ ـــــ کا استثنا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: انھیں قتل کر دو چاہے وہ کعبہ کے پردوں سے لپٹے ہوں۔ عبداللہ بن خطل کعبہ کے پردے سے چپکا ہوا تھا۔ حضرت سعید بن حریث اور حضرت عمار بن یاسر اس کی طرف لپکے۔ حضرت سعید قوی اور جوان تھے، اسے پکڑنے اور جہنم رسید کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مقیس کو بازار میں لوگوں نے پکڑ کر مار ڈالا۔ باقی اصحاب کو بچ جانے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو جانے کی مہلت مل گئی (نسائی، رقم ۴۰۷۲)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حضرت عمار بن یاسر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں انسانوں اور جنوں کے ساتھ قتال کیا ہے، پوچھا گیا: آپ نے جنوں سے کیسے جنگ کر لی؟ تو انھوں نے بتایا: ایک سفر میں ہم آپ کے ساتھ تھے۔ میں نے کنویں سے پانی نکالنے کے لیے ڈول اور مشکیزہ پکڑا تو آپ نے فرمایا: ایک آنے والا آئے گا اور تمھیں پانی لینے سے روکے گا۔ میں کنویں کی منڈیر پر پہنچا تو ایک سیاہ فام جنگجو آیا اور کہا: واللہ، تو آج ایک ڈول بھی نہ نکالنے پائے گا۔ ہم دونوں ہاتھا پائی کرتے ہوئے گتھم گتھا ہو گئے، آخر کار میں نے اسے پچھاڑ دیا اور پتھر مار کر اس کا ناک منہ توڑ ڈالا۔ لوٹا تو آپ نے تمام واقعہ سن کر فرمایا: وہ شیطان تھا، تمھیں پانی لینے سے روکنے آیا تھا (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد ۳/۲۲۱)۔

ایک بار بنوتمیم کے سردار اقرع بن حابس اور بنوفزارہ کے لیڈر عیینہ بن حصن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئے تو دیکھا کہ آپ غریب اہل ایمان ـــــ حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت خباب ـــــ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ انھوں نے ان کو نظر حقارت سے دیکھا اور آپ کو الگ لے جا کر کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے لیے ایسی نشست رکھیں جس سے عربوں کو ہماری فضیلت کا احساس ہو۔ آپ کے پاس عربوں کے وفد آرہے

ہیں، ہمیں شرم آتی ہے کہ وہ ہمیں ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں۔ ہمارے جانے کے بعد آپ چاہیں تو ان کے پاس بیٹھ جائیں۔ آپ نے ہامی بھر لی تو ان لوگوں نے تحریر کرنے کو کہا۔ آپ نے کاغذ منگوا کر سیدنا علی کو لکھنے کا کہا۔ اسی دوران میں جبریل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہو گئے:

وَلَاتَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ، مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. (الانعام ۶:۵۲)

''(اے نبی)، ان لوگوں کو نہ دھتکاریے جو اپنے رب کی خوشنودی چاہنے کے لیے صبح و شام اسے پکارتے ہیں۔ ان کے اعمال کے حساب میں سے آپ پر کچھ عائد نہیں ہوتا اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے حساب کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کو دھتکار کر آپ ظالموں میں سے ہو جائیں۔''

حضرت خباب کہتے ہیں کہ ہم آپ کے اتنا قریب ہو گئے کہ گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا لیے۔ آپ ہمارے پاس ہی بیٹھتے اور جب خود جانا چاہتے تو تشریف لے جاتے (ابن ماجہ، رقم ۴۱۲۷)۔ اس منفرد حدیث کے راوی ابو سعید ازدی کی روایات تفرد کی صورت میں قبول نہیں کی جاتیں۔ یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا، جبکہ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں: سورۂ انعام کی یہ آیت میرے، حضرت ابن مسعود، حضرت صہیب، حضرت عمار، حضرت مقداد اور حضرت بلال کے بارے مکہ میں نازل ہوئی (ابن ماجہ، رقم ۴۱۲۸)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۹ ھ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے سفر پر تھے، دو منافق ودیعہ بن ثابت اور مخشن بن حمیر آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باتیں کرنے لگے کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ رومیوں سے جنگ ایسے ہی ہو گی، جیسے عرب ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ بخدا، کل ہم تمھیں بیڑیوں میں جکڑا دیکھیں گے۔ مخشن بولا: میرا دل چاہتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارنے کا فیصلہ کیا جائے۔ آپ کو علم ہوا تو ان کی باز پرس کے لیے حضرت عمار بن یاسر کو بھیجا اور فرمایا: اگر وہ نہ مانیں تو ان کی کہی باتیں سنا دینا۔ آخر کار وہ آپ سے معذرت کرنے آئے۔ ودیعہ نے آپ کی اونٹنی کا بند پکڑ کر کہا: ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ تب یہ آیت وعید نازل ہوئی: 'اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُ وْنَ'، ''کیا تم اللہ، اس کی آیتوں اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے ہو؟'' (التوبہ ۹:۶۵)۔ مخشن نے توبہ کر لی اور شہادت کی دعا مانگی تو انھیں اللہ کی طرف سے معافی مل گئی۔ ان کا ذکر ان الفاظ میں ہوا: 'اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً'، ''اگر ہم نے تمھارے ایک گروہ کو معاف کر دیا تو دوسرے کو (ضرور) سزا دیں گے'' (التوبہ ۹:۶۶)۔ ابن جوزی نے اس واقعے کو مختلف طریقے سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر جد بن قیس، ودیعہ بن خدام

اور جہیر بن جمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے آگے چل رہے تھے۔ان میں سے دو آپ کا مذاق اڑانے لگے اور تیسرا ان کی باتوں پر ہنسنے لگا۔تب جبرئیل علیہ السلام آئے اور ان کے ٹھٹھے کی خبر دی۔آپ نے حضرت عمار کو یہ پوچھنے کے لیے بھیجا کہ کس بات پر ٹھٹھا کر رہے ہو، اللہ تمھیں جلا ڈالے۔وہ آپ سے معذرت کرنے آئے تو سورۂ توبہ کی مندرجہ بالا آیات 'لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ'، ''عذر نہ تراشو، تم نے (بظاہر) ایمان قبول کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے'' (۶۵-۶۶) نازل ہوئیں۔

تبوک سے واپسی پر منافقین کے ایک گروہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں آنے والی ایک گھاٹی کے اوپر سے گرانے کا پروگرام بنایا۔اللہ کی طرف سے آپ کو مطلع کر دیا گیا۔آپ نے اعلان کروا دیا کہ آپ گھاٹی پر سے جائیں گے، وہاں کوئی اور نہ آئے، جبکہ صحابہ وادی میں سے گزریں گے۔حضرت عمار بن یاسر آپ کی اونٹنی کی باگ پکڑے ہوئے تھے اور حضرت حذیفہ بن یمان اسے پیچھے سے ہانک رہے تھے۔چلتے چلتے بارہ (یا چودہ) نقاب پوش منافقوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا۔حضرت حذیفہ نے آپ کو بتایا تو آپ نے انھیں ڈانٹا، پھر حضرت حذیفہ اپنا ڈنڈا لے کر ان کی طرف لپکے اور ان کی سواریوں کا رخ واپس موڑ دیا۔جب انھیں احساس ہوا کہ ان کی سازش بے نقاب ہو گئی ہے تو جلدی سے لشکر میں بکھر گئے۔اندھیرے اور نقاب کی وجہ سے حضرت حذیفہ ان کو پہچان نہ سکے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام بتا دیے اور صیغۂ راز میں رکھنے کا حکم دیا۔حضرت حذیفہ کے اس مشورے پر کہ انھیں قتل کرا دیا جائے، آپ نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو مروا دیتے ہیں (احمد، رقم ۲۳۶۸۲)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عہد صدیقی: (۱۱ھ) میں جنگ یمامہ ہوئی جس میں حضرت عمار نے شرکت کی۔اس جنگ میں ان کا ایک کان کٹ گیا تو وہ ایک چٹان پر کھڑے ہو کر پکارنے لگے: مسلمانو، کیا تم جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں ہوں عمار بن یاسر، میری طرف آؤ۔ چنانچہ وہ دوسرے سپاہیوں کے ساتھ زخمی حالت میں ہی لڑائی کرتے رہے، ان کا کان پھڑ پھڑاتا رہا۔بعد میں کوئی ان کو کن کٹا کہہ کر پکارتا تو کہتے: تو نے میرے بہترین کان کو گالی دے ڈالی۔

خلیفۂ دوم نے حضرت عمار کا وظیفہ چھ ہزار درہم مقرر کیا۔ابن عساکر کہتے ہیں کہ سیدنا عمر جابیہ کے دورے پر گئے تو حضرت عمار بن یاسر ان کے ساتھ تھے۔کسی نصرانی نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والے نجران کے وفد کے بارے میں کوئی بات کی تو حضرت عمر بولے: حضرت عمار کو بلاؤ۔عمار آئے اور وفد نجران کا قصہ سنایا۔

۱۷ھ: عہد فاروقی میں ایرانیوں کو پے در پے ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑا اور ساسانی بادشاہ یزدگرد ایک شہر سے دوسرے شہر میں پناہ لیتا رہا۔یزدگرد کے تین سو مصاحب بھی جن میں سیاہ نمایاں تھا، شہر شہر در بدر ہوتے رہے۔اس

خواری سے وہ عاجز آ چکے تھے اور اسلام کا رعب اور دبدبہ ان کے دلوں میں بیٹھ چکا تھا۔ اسی اثنا میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اہواز فتح کرنے کے بعد شوستر (تستر) پہنچ چکے تھے۔ حضرت عمر نے حضرت عمار بن یاسر کو شوستر جانے کو کہا۔ حضرت عمار وہاں پہنچے تو ایرانی جرنیل سیاہ رامہرز کے رستے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اس نے دس سرداروں کی معیت میں شیرویہ کو حضرت ابوموسیٰ اشعری کے پاس بھیجا اور اسلام قبول کرنے کے لیے کچھ شرائط پیش کیں جو انھوں نے حضرت عمر کے حکم پر مان لیں، اس طرح یہ سب مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

۲۰ھ میں کوفہ کے کچھ لوگوں نے امیر المومنین حضرت عمر سے حضرت سعد بن ابی وقاص کی برائیاں کیں، حتیٰ کہ لکھ بھیجا کہ وہ نماز بھی صحیح نہیں پڑھاتے۔ مکمل تفتیش کے بعد ثابت ہوا کہ حضرت سعد سے کوئی غلطی نہیں ہوئی، اس کے باوجود سیدنا عمر نے انھیں معزول کرنا مناسب سمجھا اور حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کو گورنر بنا دیا۔ حضرت عبداللہ کے بعد حضرت زیاد بن حنظلہ اور ۲۱ھ میں حضرت عمار بن یاسر گورنر مقرر ہوئے۔ حضرت عمار کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود بیت المال کے نگران اور حضرت عثمان بن حنیف سواد عراق کے امیر بنائے گئے۔ ان کے فرمان تقرری میں سیدنا عمر نے لکھا: یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز اور منتخب اصحاب میں سے ہیں، ان کی سمع و طاعت کرنا۔ انھوں نے ایک بکری ان کا روزینہ مقرر کیا اور ہدایت کی کہ نصف بکری اور پیٹ کا حصہ حضرت عمار کو دیا جائے، چوتھائی بکری حضرت ابن مسعود اور چوتھائی حضرت عثمان کو دی جائے۔ اپنی گورنری کے زمانہ میں حضرت عمار نے فتح خوزستان میں حصہ لیا۔ اہل بصرہ نے نہاوند پر حملہ کیا تو حضرت عمار کی سربراہی میں اہل کوفہ نے ان کی مدد کی۔ جنگ ختم ہونے پر بصریوں نے کوفیوں کو غنیمت کا حصہ دینے سے انکار کر دیا۔ بنوتمیم کا ایک شخص بولا: او کن کٹے، تو ہماری غنیمتوں میں ساجھی بننا چاہتا ہے؟ حضرت عمار بولے: تو نے میرے بہترین کان کو گالی دے ڈالی۔ پھر انھوں نے سیدنا عمر کو خط لکھا تو جواب آیا: مال غنیمت اسی کو ملتا ہے جو جنگ میں شریک ہو۔ پونے دو سال اقتدار میں رہنے کے بعد ۲۲ھ میں حضرت عمار بھی معزول ہوئے، ان کے بارے میں شکایتیں پہنچی تھیں کہ کاروبار مملکت کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ ایک شخص عطارد نے ان کے خلاف گواہی دی۔ حضرت سعد بن مسعود نے کہا: حضرت عمار کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی عمل داری میں کون کون سے علاقے ہیں۔ اس پر سیدنا عمر نے یہ سوال ان سے کیا تو وہ صحیح جواب نہ دے سکے۔ حضرت عمار کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے لی۔ حضرت عمار سے پوچھا گیا: کیا معزولی سے آپ کو رنج پہنچا ہے؟ حضرت عمار نے جواب دیا: گورنری نے مجھے خوش نہ کیا تھا، البتہ معزولی سے میرا دل میلا ہوا ہے، تاہم سیدنا عمر کے اکرام میں کوئی کمی نہ آئی، وہ اپنی مجالس میں حضرت عمار کو اپنے قریب بٹھاتے اور کہتے: اس نشست کے حق دار حضرت عمار ہی ہیں۔

۲۳ھ: خلیفۂ دوم سیدنا عمر کی شہادت کے بعد ان کی مقرر کردہ شوریٰ کے رکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پاس ان کے جانشین کے انتخاب کا اختیار آیا تو پہلے دو دن انھوں نے اصحاب راے سے مشورہ کرنے کے علاوہ عامۃ الناس، باپردہ عورتوں، مدارس میں پڑھنے والے بچوں، حتیٰ کہ مدینہ میں آنے والے مسافروں سے راے لی۔ سب نے حضرت عثمان کے حق میں فیصلہ دیا۔ تیسرے دن فجر کی نماز کے بعد جب مسجد کھچا کھچ بھر گئی تو انھوں نے حاضرین سے پھر مشورہ مانگا۔ حضرت عمار بن یاسر نے کہا: اگر آپ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اختلاف رونما نہ ہو تو سیدنا علی کی بیعت کر لیں۔ حضرت مقداد بن اسود بولے: حضرت عمار صحیح کہتے ہیں، آپ نے سیدنا علی کو خلیفہ مان لیا تو ہم سمع و طاعت کریں گے۔ اب ابن ابی سرح کی باری تھی، انھوں نے کہا: قریش کے اختلاف سے بچنا ہے تو حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ آپ نے حضرت عثمان کی بیعت کی تو ہم سنیں اور مانیں گے، حضرت عبداللہ بن ابو ربیعہ نے تائید کی۔ حضرت عمار نے ابن ابی سرح کو گالی دے کر کہا: تم کب سے مسلمانوں کے خیر خواہ ہو گئے؟ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں تکرار شروع ہو گئی تو حضرت عمار بولے: اللہ نے اپنے نبی اور اپنے دین کے ذریعے سے ہماری عزت بڑھائی ہے۔ تم امر خلافت کو نبی کے اہل بیت سے نکال کر کہاں لے جانا چاہتے ہو؟ حضرت عمار کا حلیف ایک مخزومی بولا: ابن سمیہ، تو نے حد سے تجاوز کیا، قریش کی امارت سے تمھارا کیا تعلق؟ اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص نے مداخلت کی اور بولے: عبدالرحمٰن، قبل اس کے کہ لوگ فتنے میں مبتلا ہو جائیں، آپ خلیفہ کا انتخاب کر کے فارغ ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان اور سیدنا علی سے کتاب اللہ، سنت رسول اور سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر کی پیروی کرنے کا پھر سے الگ الگ عہد لیا، حضرت عثمان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنا سر مسجد کی چھت کی طرف بلند کر کے کہا: اے اللہ، سن لے اور گواہ رہ، میں نے یہ ذمہ داری حضرت عثمان پر ڈال دی ہے، پھر ان کی بیعت کر لی۔ حضرت عبدالرحمٰن کے بعد ان کے پاس کھڑے سیدنا علی نے بیعت کی، پھر مسجد میں موجود سب اہل ایمان بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد)۔ حضرت عمار اور حضرت مقداد نے بھی فی الفور حضرت عثمان کی بیعت کر لی۔ اس روایت سے متضاد روایات بھی تاریخ کا حصہ ہیں۔ مثلاً یہ کہ سیدنا علی نے حضرت عبدالرحمٰن سے کہا: یہ پہلا دن نہیں کہ تم نے ہم پر غلبہ پایا ہے 'فصبر جمیل'، اب صبر خوب کرنا ہوگا۔ مقداد بن اسود نے شکوہ کیا کہ سیدنا علی کے علم اور ان کے عدل و قضا کو ترک کر دیا گیا ہے۔

[باقی]

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

امام حمید الدین فراہی
ترجمہ: خالد مسعود

حکیم کا طرز فکر و تعلیم

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حکیم کا طرز فکر

حکمت نفس کا کمال اور اس کا مقصود ہے، اس لیے یہی ابتدا اور یہی انتہا ہے۔ جن علوم سے حکمت کے حصول سے پہلے سابقہ پیش آتا ہے، وہ اس کی معرفت کا ایک وسیلہ ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک آدمی پہلے جزئیات کا علم حاصل کرتا ہے، پھر ان سے مجموعی علم اخذ کرتا ہے؛ اس کے بعد اس مجموعی علم کی روشنی میں جزئیات کے علم کا دوبارہ جائزہ لیتا ہے تو ان جزئیات کا غلط یا صحیح ہونا اس پر روشن ہو جاتا ہے، اسی طرح حکمت حاصل ہونے کے بعد آدمی جب ان علوم کا جائزہ لیتا ہے جو اس کے حصول کا ذریعہ بنے تھے تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ ان میں کوئی باتیں خلط ملط اور بہت سے مسائل الٹ پلٹ ہو گئے تھے۔

کامل معرفت اور تحقیق کے بعد ظن و تخمین پر مبنی کئی امور درست کیے جا سکتے ہیں۔ جو امور غیر واضح ہوتے ہیں، وہ بھی صاف ہو جاتے ہیں۔ آدمی کو یوں لگتا ہے، جیسے پچھلے لوگ ان تمام امور کو جانوروں کی نگاہ سے دیکھتے رہے تھے۔ جب ایک حکیم آیا تو اس نے پہلی مرتبہ انسان کی نظر سے ان کو دیکھا۔ دوسرے الفاظ میں اشیا معانی و مفہوم سے اس وقت تک خالی رہیں جب تک کوئی ایسا شخص ان تک نہیں پہنچا جس نے ان کو سمجھا، کھولا اور ان کی وضاحت کی۔ پس آدمی جب تک معرفت حاصل نہیں کرتا، وہ ان علوم سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جو اس کی تیاری کے لیے وضع ہوئے تھے۔ معرفت سے قبل ان سے فائدہ اٹھانا صحیح فائدہ اٹھانا نہیں ہے۔ اسی طرح ان کا علم بھی حقیقی علم نہیں ہے، بلکہ یہ علم

بس متفرق قسم کے ادراکات اور گمراہ کن جذبات پر مشتمل ہوتا ہے۔

ایک حکیم کائنات پر نگاہ ڈالتا ہے تو اس کے تمام احوال میں اسے پختگی اور نظم وضبط دکھائی دیتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ کائنات کسی خاص مقصد کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔ لہٰذا اس کا ایک خالق ہونا لازم ہے جو تمام امور کو اس خاص مقصد کی طرف لے جا رہا ہے۔ پس حکیم کا یہ انداز فکر علم اور عمل کے درمیان پختہ تعلق پر مبنی ہوتا ہے۔ جو شخص ایک حکیم خالق پر ایمان نہیں رکھتا، وہ نہیں جانتا کہ اس کائنات کے پیچھے کوئی مقصد بھی ہے۔ پھر جب وہ اپنے دل میں ارادہ، طبیعت میں میلانات اور اچھے اور برے میں امتیاز کی صلاحیتیں موجود پاتا ہے تو اسے اس بات پر اطمینان نہیں ہو پاتا کہ یہ سب چیزیں واقعی کسی مضبوط بنیاد پر قائم ہیں۔ وہ ان کو تقلید آبا یا روایت پرستی یا نفس کی مخفی اغراض کی طرف منسوب کرتا ہے اور ہر حال میں خیر اور شر کے وجود کے بارے میں بے اطمینانی کا شکار ہوتا ہے۔ اسے کسی چیز کے وجود اور عدم وجود کا اطمینان بھی حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اسے اپنے مشاہدہ پر بھی یقین نہیں آتا۔ وہ فطرت کو الزام دیتا ہے۔ ایسا شخص عمل کرتا ہے تو اسے اس کے انجام کا علم نہیں ہوتا۔ وہ اس شخص کے مانند ہوتا ہے جو ایک تاریک رات میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کے برعکس حکمت علم اور ارادہ کی قوتوں میں موافقت پیدا کرتی ہے جس کے نتیجے میں زندگی کے مقصد اور اس غایت کے بارے میں اطمینان پیدا ہوتا ہے جس کی طرف ساری مخلوق بڑھ رہی ہے۔ لہٰذا حکیم شخص اپنے خالق کی رضا پر راضی ہو جاتا ہے۔ جس نے ہر چیز کی تدبیر بڑی حکمت سے کی ہے، جس نے ہر مخلوق کے لیے ایک غایت اور حکمت مقرر کر رکھی ہے اور جس نے کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی۔ ایک حکیم خالق کوئی کام عبث نہیں کرتا۔ وہ دنیا کو جس طریقہ سے چلا رہا ہے، اس پر ایک حکیم شخص کا راضی رہنا اس کی زندگی کا مقصد اور اس کی فطرت کا کمال ہوتا ہے۔ اس طرح وہ ایک شکر گزار، راضی بہ رضاے الٰہی اور مطمئن نفس کا مالک بن جاتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حکیم کا طریقۂ تعلیم

حکمت چونکہ واضح، تمام علوم کی نسبت نفس سے قریب تر اور عقل سے زیادہ مطابقت رکھنے والی، زیادہ پھیلاؤ نہ رکھنے والی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ پردوں میں چھپی ہوئی ہے، جس کی طرف توجہ نہیں ہونے پاتی، اس لیے اس کی تعلیم دینے والے حکما کو اس کے معارف بیان کرنے سے کوئی دل چسپی نہیں ہوئی، کیونکہ یہ معارف تو لوگوں کے سامنے کھلی کتاب کے مانند تھے۔ انھیں دل چسپی اس بات سے ہوتی تھی کہ لوگوں کا رخ حکمت کی جانب پھیر دیں، ان کو غور و فکر پر آمادہ کریں اور ان کو ان تاریکیوں کے حجابات سے نکالیں جو ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے

ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے نفس کے دو افعال کا سہارا لیا: ایک فکر و استدلال اور دوسرا خیر و سعادت کی طرف تحریک۔ دوسرے لفظوں میں انھوں نے قوت فکر اور قوت ارادہ کو بیدار کیا، کیونکہ انسان قوت فکر ہی کے ذریعے سے ان نشانیوں سے استدلال کر سکتا ہے جن سے آفاق و انفس بھرے پڑے ہیں اور قوت ارادہ ہی کی بدولت وہ خیر و سعادت کے کاموں کو پسند کرتا ہے۔ یہ دونوں قوتیں انسان کی تمام صفات کی جامع ہیں اور نفس کی تمام حالتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حکمت کا معلم اگرچہ معارف سے لوگوں کو آگاہ کرنے میں زیادہ دل چسپی نہیں لیتا، لیکن نفس کی تربیت، تنویر، تزکیہ اور تطہیر میں وہ بہت سخت گیر ہوتا ہے۔ البتہ ہر شخص کا ذہن حکمت کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یوں ہے، جیسے ایک شخص ڈاکٹر کے پاس جائے، اس کی دوا کھائے اور اسے شفا بھی حاصل ہو جائے، لیکن وہ بیماری کے دوبارہ حملے کی طرف سے بے خوف نہ ہو سکے۔ اس طرح کے لوگوں میں ایسے بہت سے عابد و زاہد لوگ بھی ہوتے ہیں جو حکمت سے فائدہ اٹھا رہے ہوتے ہیں، لیکن وہ خود حکیم نہیں ہوتے۔ البتہ جو آدمی غور و فکر اور عمل کی صلاحیتوں کو کامل کر لیتا ہے، اس کو حکمت مل جاتی ہے۔ غور و فکر سے یہاں ہماری مراد منطقیانہ غور و فکر نہیں، بلکہ الہامی ادراک ہے۔ اس شخص کی مثال اس آدمی کی ہے جس نے ایک چیز چکھی تو اس کے ذائقہ اور خوشبو کی خوبیاں اس پر روشن ہو گئیں، پھر اس نے اس سے لطف اٹھایا یا سیر ہوا۔ اب اس کی نظر اس چیز کی تاثیر سے خالی نہیں ہو سکتی اور نہ اس کا درخت اپنے پھل سے محروم ہو سکتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

تمثیلات کے ذریعے تعلیم حکمت

حضرت مسیح علیہ السلام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حکمت کی تعلیم تمثیلات کے ذریعے سے دیتے تھے۔ جب لوگ ان کی بات نہ سمجھتے تو انھیں اس چیز کا بڑا ملال ہوتا۔ لوگوں کو جن باتوں کا محض گمان ہوتا اور وہ ان کی حقیقت کو نہ سمجھتے تو حضرت مسیح اس مسئلہ کے اشکالات ان کے سامنے رکھتے تاکہ وہ خود غور و فکر کی عادت ڈالیں۔ افلاطون کہا کرتا تھا کہ جو شخص تمثیلات کے ذریعے سے بات نہیں کر سکتا، وہ حکیم نہیں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام امثال کے ذریعے سے تعلیم دیتے۔ قدیم حکما یہ تلقین کیا کرتے تھے کہ اپنے آپ کو پہچانو۔

قرآن مجید بھی تمثیلات کے ذریعے سے حقائق کو بیان کرتا ہے۔ اس کے بیان کی نمایاں خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ امثال کا مقصد تذکیر ہے تاکہ لوگ اپنے نفس اور اس کے اندر موجود صلاحیتوں کی طرف رجوع کریں۔ قرآن

نے امثال کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:

وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ. (العنکبوت ۲۹:۴۳) ''ان کو صرف اہل علم ہی سمجھتے ہیں۔''

۲۔قرآن کا زیادہ تر استدلال نشانیوں سے ہے اور اس نے واضح کیا ہے کہ یہ استدلال وہی لوگ کر سکتے ہیں جو فہم وتدبر سے کام لیں۔

۳۔قرآن مجید کی امثال اور نشانیاں گوناگوں پہلوؤں سے پیش کی گئی ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ یہ مسائل کو مختلف اطراف سے دکھانے کے لیے ہیں۔اس طرح قرآن مجید نے نشانیوں پر غور کرنے کے طریقہ کی طرف رہنمائی بھی کر دی ہے[1]۔

۴۔قرآن نے علم وعمل کو دو الگ چیزیں نہیں رہنے دیا، بلکہ دونوں کو باہم ملا دیا ہے اور ان دونوں پر ایک ساتھ زور دیا ہے۔

۵۔قرآن نے حکمت کے مقام، اس کے آنے کے دروازوں اور اسباب، سب کی طرف رہنمائی کی ہے۔

۶۔نظم وترتیب کو تفکر کا سب سے بڑا داعیہ اور غور کے مختلف پہلوؤں کا مرکزی نقطہ قرار دیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حکمت علم اور عمل کی جامع ہے

ایک حکیم کے پاس جو علم ہوتا ہے، وہ اس نے دوسروں کی تقلید کر کے نہیں، بلکہ اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر حاصل کیا ہوتا ہے۔وہ ہر معاملہ میں اپنی فطرت کی آواز سنتا ہے، کیونکہ اس کی فطرت دوسری تمام چیزوں کی نسبت اس سے قریب تر ہوتی ہے۔اس کے استدلال کی بنیاد ظن وتخمین پر نہیں ہوتی، نہ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ محض چند اجزا کو دیکھ کر ان سے عام کلیے اخذ کر لے۔اس کے برعکس وہ اشیا کے متعلقات ولوازم کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔لہٰذا اس کا اخذ کردہ نتیجہ اس کی بصیرت ہی کا ایک پہلو بن جاتا ہے۔

حکیم اگر کسی چیز میں دل چسپی لیتا ہے تو وہ بھی کسی دوسری چیز کے حوالے سے نہیں ہوتی، بلکہ وہ بلاواسطہ اسی چیز کی

---

[1] یہ اشارہ ہے قرآن مجید کے معروف اسلوب ''تصریف آیات'' کی طرف۔قرآن مجید کسی بات کو سمجھانے کے لیے کوئی ایک ہی پیرایہ استعمال نہیں کرتا، بلکہ بات کو مختلف پہلوؤں سے کہتا ہے۔نشانیوں کے بھی کسی ایک ہی پہلو کی طرف توجہ مبذول نہیں کراتا، بلکہ ان کے مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لاتا ہے تاکہ قاری پر اگر ایک جگہ بات واضح نہیں ہوئی تو دوسری جگہ اس پر واضح ہو جائے۔مولانا فراہی کے نزدیک غور کرنے کا طریقہ بھی یہی ہونا چاہیے کہ آدمی دلیل کے ہر پہلو پر توجہ دے۔(مترجم)

جستجو کرتا ہے جو اس کی سب سے زیادہ پسندیدہ اور سب سے زیادہ لذیذ چیز اور اس کی زندگی کا مقصود ہوتی ہے۔ علم و عمل میں جو لوگ پختہ کار ہوئے ہیں، ان کا طرز عمل ہمیشہ سے یہی رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو جو علم حاصل ہوا، وہ ان کے سینے کی ٹھنڈک بن گیا اور جس مطلوب کو انھوں نے اختیار کر لیا تو اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ ان دونوں دولتوں کو انھوں نے خوب خوب سمیٹا اور اس سے اطمینان پایا۔ ایسے ہی لوگ حقیقی عالم و عامل اور واقعی مخلص ہوتے ہیں۔ ان کا علم نہ تو محض برائے علم ہوتا اور نہ بارد یا مردہ ہوتا ہے۔ یہ علم سراپا زندگی، مجسم قوت اور شوق و عمل کا جامع ہوتا ہے۔ پس ایک حکیم نفس اور اس کی بیماریوں، دنیا اور اس کی ناپاکیوں، تقویٰ اور اس کی لذتوں اور شفابخشیوں سے واقف ہو جاتا اور اپنے رحیم، کریم اور حکیم خدا کو پہچان جاتا ہے۔ وہ خدا پر ایمان لاتا، اس کی طرف مائل ہوتا اور اس کے جمال و کمال کو محبوب رکھتا ہے۔ وہ غفلت کی تلخیوں کو بھی جان جاتا ہے، اس لیے اس کی طرف سے نظریں پھیر لیتا ہے۔ اس کا علم زندہ ایمان اور ایسا کامل یقین ہوتا ہے، جیسے وہ غیب کا مشاہدہ یقین کی آنکھوں کے ساتھ کر رہا ہو۔ غیب کا یہ مشاہدہ اس مشاہدہ سے واضح تر ہوتا ہے جو وہ سر کی آنکھوں کے ساتھ کر سکتا ہے۔ ایک آدمی جب کسی خوب صورت حقیقت کو پا جائے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کو محبوب نہ بنائے۔ لہٰذا ایمان کے نتیجہ میں اللہ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ. (البقرہ ۲: ۱۶۵)

''جو لوگ ایمان لائے، وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھنے والے ہیں۔''

اس آیت میں حقیقی ایمان ہی کو حُب کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان جب جب خدا کو یاد کرتے ہیں، وہ اس کی عظمت و کبریائی سے مرعوب ہو جاتے ہیں، اس سے ان کے دل کانپ جاتے ہیں، خدا کی بزرگی اور اس کا جلال ان پر روشن ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ اس کی طرف اڑ کر پہنچتے ہیں اور اپنے آپ کو اس کی رضا کے حوالے کر دیتے ہیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا. (الانفال ۸: ۲)

''مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے، ان کے دل دہل جائیں اور جب اس کی آیتیں ان کو سنائی جائیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کریں۔''

حکمت کی نشو و نما کی شرائط

حکمت دل کی زندگی ہے۔ زرخیز زمین کے اندر بیج ڈالا جائے تو وہ اگتا ہے، اسی طرح دل زندہ کے اندر علم کا بیج

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نشو ونما پاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جس دل میں علم کو زندگی ملے اور وہ نشو ونما پانے والے بیج کی طرح پھلنے پھولنے لگے تو یہ دل کی زرخیزی کی ایک دلیل ہے۔ علم کی زندگی کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اس کو اپنے حال پر طاری کرلے اور اس کے نتیجہ میں عمل صالح اختیار کرے۔ رہی نشو ونما تو یاد رکھنا چاہیے کہ زندگی صرف حرکت پیدا کرنے والی چیز ہی کا نام نہیں، بلکہ اس میں ایک خاص ترتیب اور نظام کا پایا جانا ضروری ہے۔ کوئی زندہ شے ایسی نہیں جس میں نظام نہ ہو، لہٰذا ایک منظّم علم کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ اس کا حسن، اس کی رونق اور اس کا نفع ہوتا ہے۔ دل کی زندگی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر علم کی نشو ونما کی صلاحیت موجود ہو۔ گویا اصل معاملہ دل کی زندگی ہی کا ہے۔

حکمت کا معاملہ یہ ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کو عطا نہیں کی جاتی جو اس کو پانے کا اہل نہ ہو۔ اس کا سبب یہ نہیں کہ ایک حکیم دوسروں تک اس کے پہنچانے میں بخل سے کام لیتا ہے، بلکہ حقیقت میں وہ اس کے لیے غیرت رکھتا ہے اور غلط بخشی کے نتیجہ میں اس کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ یہ بات واضح ہے کہ اگر بنجر زمین میں بیج ڈال دیا جائے تو وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر علم کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اگر یہ نفع نہ دے تو نقصان پہنچانے کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ اسی لیے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

أللّٰھمّ إنی أعوذبك من علم لا ینفع وقلب لا یخشع. (مسلم، رقم ۷۰۸۱)

''اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جو عاجزی اختیار نہ کرے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اس عظیم حقیقت پر بھی دلیل ہے کہ اگر دل خشوع کی صفت سے خالی ہو تو آدمی کا علم اس کو کوئی نفع نہیں دیتا۔ یہیں سے ہمیں یہ بات سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ کون سی چیز دل کو زندہ رکھتی اور اس میں حکمت کو قبول کرنے کی صلاحیت کی شیرازہ بندی کرتی ہے۔ اصل میں دل کا خشوع وہ دروازہ ہے جس کے راستے حکمت دل میں داخل ہوتی ہے۔ یہ حکمت کو پانے کی شرط اول ہے اور اس کی تصریح قرآن مجید اور حدیث صحیح، دونوں سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ خشوع حاصل کیسے ہوتا ہے اور حکمت کے حصول کے لیے دل کو کیسے تیار کیا جاتا ہے۔

ایک غور کرنے والا شخص جب آسمان، زمین اور انفس میں خدا کی قدرت، حکمت، ربوبیت اور رحمت کا مشاہدہ کرتا ہے، پھر اپنے نفس کو دیکھتا ہے کہ وہ انتہائی بلندی اور انتہائی پستی کے درمیان رکھ دیا گیا ہے تو یہ چیز اس کے اندر خدا کی خشیت اور امید ساتھ ساتھ پیدا کرتی ہے۔ پھر اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ دنیا ایک مقصد کے تحت وجود میں آئی ہے۔ اس کا پیدا کرنے والا عادل اور ایک پاکیزہ رب ہے۔ اس کے بالمقابل وہ خود غلط کار، بھٹکنے والا اور سرکشی اختیار

کرنے والا ہے۔ یہ احساس اس کے اندر اس قدر خشیت پیدا کرتا ہے کہ وہ خلوت وجلوت میں حدود الٰہی کی پابندی کرنے لگتا ہے۔ وہ خواہشات نفسانی کی پیروی سے باز رہتا ہے۔ خشیت اور تقویٰ کی ان صفات سے اس کا قلب صاف ہوتا اور حکمت کے نور کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کتاب الامثال میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ حقیقت بیان فرمائی کہ حکمت کا سرا رب کی خشیت ہے۔

اسی خشیت اور تقویٰ کے نتیجہ میں بندہ خشوع اور فروتنی کا لباس اوڑھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ساری بادشاہی تنہا اس کے منعم رب کی ہے اور وہ اس کے آگے بے بس ہے۔ وہ رب سے دور ہونے سے ڈرتا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پیر مارتا ہے۔ وہ اسی سے طالب مدد ہوتا اور اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ اس خشوع کے نتیجہ میں آدمی کے اندر علم کی تعظیم اور اس کے بارے میں حسن ظن پیدا ہوتا ہے اور اعتراض کرنے کی روش ختم ہو جاتی ہے۔ یہ چیز حکمت کی نشو ونما کے لیے آدمی کو تیار کرتی ہے اور یہ خشوع رفع درجات کا ذریعہ بنتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

وَاِذَا قِيۡلَ انۡشُزُوۡا فَانۡشُزُوۡا يَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ. (المجادلہ ۵۸:۱۱)

’’اور جب کہا جائے کہ (مجلس سے) اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو۔ اللہ ان لوگوں کے جو تم میں سے اہل ایمان ہیں اور جن کو علم عطا ہوا ہے، مدارج بلند کرے گا۔‘‘

اس حقیقت کی طرف ایک لطیف اشارہ اس آیت میں بھی ہے:

فَاسۡلُكِىۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا. (النحل ۱۶:۶۹)

’’پھر اپنے پروردگار کے ہموار رستوں پر چل۔‘‘

حکمت بالتدریج حاصل ہوتی ہے

حکمت کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ یک بارگی یہ کبھی حاصل نہیں ہوتی، بلکہ یہ مختلف مواقع پر آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح مکان یک بارگی تعمیر نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کے لیے نہ جانے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، اسی طرح کا معاملہ حصول حکمت کی راہ میں پیش آتا ہے۔ غذا کو بڑی مقدار میں ایک ہی دفعہ معدے میں ڈالنے کی کوشش کی جائے تو معدہ اس کو قبول نہیں کرتا اور وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قلب کے اندر بھی حکمت کو ایک ہی مرتبہ میں اٹھا لینے کی طاقت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کو یک بارگی نہیں اتارا گیا۔ اس کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی مصلحت یہ بتائی گئی ہے:

لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلۡنٰهُ تَرۡتِيۡلًا.

’’تاکہ اس کے ذریعے سے ہم تمھارے دل کو مضبوط

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کریں اور ہم نے اس کو تدریج و اہتمام کے ساتھ اتارا ہے۔'' (الفرقان ۲۵: ۳۲)

حکمت کی تعلیم دینے والا بھی اس طریقہ کا لحاظ رکھتا ہے۔ وہ ہمیشہ مختصر کلام کرتا ہے تاکہ شاگرد اس پر جلدی سے نہ گزر جائے، بلکہ اس کو سمجھنے کے لیے مزید شرح و تفصیل کا خواہش مند، استاد کا محتاج اور اس کے ساتھ طویل صحبت کا طالب ہو۔

اسی حقیقت کے فہم سے میری رہنمائی قرآن مجید کے نظم کی حکمت کی طرف ہوئی ہے۔ قرآن نے اپنی تعلیم کے لیے کئی طریقے اختیار کیے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ہر ہر آیت کو ایک مستقل تعلیم کا حامل بنایا ہے۔ جب آدمی ایک تنہا آیت کو محل تدبر بناتا ہے تو اس کو اسی پر اپنی توجہ مرتکز کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ یہ اسی طرح کی بات ہوئی، جیسے کارخانوں کے کارکنوں کے لیے ایک مخصوص شعبہ ہی میں مشغولیت کافی سمجھی جاتی ہے۔ اگر کارخانے کا پورا نظام ان پر کھول دیا جائے تو وہ ششدر رہ جائیں اور ان کے لیے وہ کام کرنا بھی مشکل ہو جائے جس کے کرنے کی وہ اہلیت رکھتے ہیں۔ کامل نظام ہمیشہ اس شخص پر کھولا جاتا ہے جو اس کو سمجھنے کا اہل ہوتا ہے۔ کارخانے کے کارکن کی طرح فوج کا ایک سپاہی اپنے مورچے پر ڈیوٹی کے لیے کافی ہوتا ہے اور وہ اس سے ہٹ کر اس سے زائد کسی چیز کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتا۔ لڑائی کا پورا نقشہ صرف کمانڈر کے پاس ہوتا ہے اور وہی اس کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی بنا پر بہت سے لوگوں نے قرآن سے معمولی واقفیت پر قناعت کر لی اور اس کے اجزا کے باہمی ربط کو جاننے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن جو شخص حکمت کی کسی وادی کا آشنا ہو جاتا ہے، وہ قرآن کے مجموعی نظم کی طرف رہنمائی پاتا ہے۔ اس کی نظر میں مجموعہ آیات کی خوبیاں، بلند حقائق علمیہ، علوم الٰہیہ کے مختلف شعبوں کا نقطۂ جامعہ اور کتاب اللہ سے حاصل ہونے والی شفائے کلی، ہر چیز سما جاتی ہے۔

مسلمانوں کے اولوالامر کے لیے نظم قرآن سے واقف ہونا ضروری ہے

اوپر کی بحث سے ہم اس حقیقت تک پہنچتے ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات جس شخص کے حوالہ کیے گئے ہوں، اس کے لیے اس بات کی کوئی گنجایش نہیں کہ وہ کتاب اللہ کے نظم سے بے خبر رہے، کیونکہ اس کے لیے اصل رہنما قرآن ہی ہوسکتا ہے۔ اگر اس کا حال یہ ہے کہ وہ قرآن کے متفرق امور ہی سے واقفیت رکھتا ہو اور صفات کے مدارج اور نظام سے بے بہرہ ہو تو ایسا لیڈر افراط و تفریط کے درمیان ٹامک ٹوئیاں مارتا رہے گا۔ اس کا اجتہاد جانب داری پر مبنی اور حق

سے دور کرنے والا ہوگا۔ آپ ان بڑے لوگوں کی سیرت پڑھیے جنھوں نے خلافت کی ذمہ داریاں اٹھاتے ہی ایسے فتنے پیدا کر دیے کہ ارکان اسلام ہی ان سے خطرے میں پڑ گئے تو صاف نظر آتا ہے کہ دین کے معاملے میں ان کی شدت اوران کا زہد وتقشّف اس کا باعث ہوا، حالاں کہ ان کے اندر دین کی نصرت کا جذبہ اوراس کے لیے مطلوب شجاعت اور جرأت بھی موجود تھی۔ مجموعی طور پر ان لوگوں کے اعمال کے پلڑے ہلکے رہ گئے اوراس کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے اپنے اعمال کو عقل سے خالی رکھا، فرع کو اصل اور سنت کو فرض کا درجہ دیا اور جس چیز کی حیثیت دم کی تھی اس کو سر کی حیثیت دے دی۔ اگر یہ لوگ حکمت سے بہرہ ور ہوتے اور کتاب اللہ میں پائی جانے والی ہدایت کو اس کی واقعی اہمیت دیتے تو لوگ اس کی طرف بھاگ کر جاتے۔

ظواہر شریعت اوران کے اصول وحقائق کے مابین وہی تعلق ہے جو عوام اوران کے خواص وعلما کے مابین ہے۔ جس طرح عوام اپنے خواص پر غالب نظر آتے ہیں، اسی طرح ظواہر شریعت دین کی روح پر غالب نظر آتے ہیں۔ اس بات کو ہادی علیہ السلام نے اچھی طرح واضح فرمایا۔ آپ نے خوارج کے معاملہ میں اس حقیقت کو وضاحت سے بیان کیا ہے[۲]۔ ملت کا نظام خراب اس وقت ہوتا ہے جب اشرار کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ ان کے حملے عوام پر ظاہری امور میں تو جاری رہتے ہیں اور یہ ان کی بنیادوں کو ڈھانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن بعد میں ان کو ان لوگوں کی تائید بھی حاصل ہو جاتی ہے جن کی عقلیں کوتاہ، لیکن کام کرنے میں وہ بہت تیز ہوتے ہیں۔ اس طرح اشرار غلبہ پا کر ملت کی تنظیم کو

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۲؎ مصنف علیہ الرحمۃ کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جس میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مال بعض سرداروں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ کا مقصد ان کی تالیف قلب کر کے ان کو اسلام کا حامی بنانا تھا۔ اس پر ایک شخص نے آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹوکا اور کہا کہ آپ عدل سے کام لیں۔ حضور نے فرمایا کہ آسمان وزمین کے رب نے میرے اوپر اعتماد کیا ہے اور وہ صبح وشام وحی کی امانت میرے حوالہ کرتا ہے، میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اٹھے اوراس معترض شخص کی گردن مارنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے منع کر دیا اور فرمایا کہ اس قماش کے لوگوں کی ظاہری نمازیں ایسی ہیں کہ تمھاری نمازیں ان کے آگے شرما جائیں۔ یہ قرآن مجید کی شان دار قراءت کرتے ہیں، لیکن وہ ان کے گلے سے اوپر اوپر ہی رہتا ہے۔ یہ لوگ ظاہری نیکی کے باوجود دین سے نکل جانے والے ہیں۔ یہ حدیث مختلف واسطوں سے ''صحیح مسلم'' کی 'کتاب الزکوٰۃ' میں 'باب ذکر الخوارج و صفاتھم' میں آئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ظواہر شریعت میں تو بے حد انہماک ظاہر کرتے ہیں، لیکن اصول دین سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں۔ حضور پر اعتراض کرنے والے شخص نے یہ نہیں سمجھا کہ رسول پر ایمان لانے کے تقاضے کیا ہیں۔ اس کی ظاہری نیکی اس کو دین کی حقیقت سے آگاہ کرنے میں ناکام رہی۔ (مترجم)

پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔

اوپر ہم نے دین دار، لیکن جاہل لوگوں کے غلبہ کے نتائج بیان کیے تھے اور اب اشرار کے غلبہ کی مضرت واضح کی ہے۔ اصولی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جس صاحب امر نے فرع کو اصل کی جگہ دے دی اور پست کو بلند کا درجہ دیا اس نے ملت کے نظام کو منتشر کر دیا۔ اس سے نظم قرآن کو سمجھنے کا فائدہ اور اس سے بے خبری کا نقصان واضح ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کی اصلاح (اور اس کے ساتھ دوسری امتوں کی اصلاح) اسی حکمت سے ہو گی جس کی طرف قرآن رہنمائی دیتا ہے۔ اس حکمت تک پہنچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ آدمی یہ جاننے کی کوشش کرے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے شان دار نظم کے اندر کیا کیا معارف رکھ دیے ہیں۔ جو شخص نظم کے لحاظ رکھے بغیر حکمت قرآن کو جاننا چاہے گا، وہ کتاب اللہ کے فہم میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہے گا اور اپنی تدابیر میں گمراہی میں پڑ جائے گا۔

(حکمت قرآن ۸۲-۹۶)

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خورشید احمد ندیم

تدبر قرآن سے البیان تک

سترہ برس پہلے دسمبر کی پندرہ تاریخ تھی جب مولانا امین احسن اصلاحی دنیا سے رخصت ہوئے۔ صاحب ''تدبر قرآن''__ اللہ کی آخری کتاب کے بے مثل شارح۔

قرآن مجید زبان و بیان کا معجزہ ہے۔عرب اپنی فصاحت و بلاغت پہ نازاں تھے۔ساری دنیا ان کے لیے عجمی (گونگی) تھی۔وہ اسی زعم میں تھے کہ آسمان سے ایک کلام کا ظہور ہوا۔اس کلام کے شکوہ نے ان عربوں کو عجمی بنا دیا۔ لبید جیسا بے مثل شاعر ایسا مبہوت ہوا کہ شاعری سے توبہ کرلی۔اللہ نے ایمان کی دولت سے نوازا۔سیدنا عمر فاروق نے شعر کی فرمایش کی تو کہا: ''کیا بقرہ اور آل عمران کے بعد بھی؟''* ایک معجزہ نمودار ہوا۔زبان و بیان کے اسالیب بدل گئے۔قدیم پیمانے اگر متروک نہیں ہوئے تو بے اثر ضرور ہوگئے۔انسانی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ ایک صحیفۂ ادب نبوت ورسالت کی دلیل ٹھیرا۔مان لیا گیا کہ انسان ایسے کلام پر قادر نہیں۔لاریب یہ آسمانوں سے اترنے والا کلام ہے۔

صدر اول کے بعد صدیوں تک یہ بات محض ایک عقیدہ تھی۔قرآن مجید کے ایجاز اور اعجاز کو بہت سے اہل علم نے نمایاں کیا۔قرآن مجید ایک حیرت کدہ ہے۔جو بھی اس میں اترا کوئی عجیب بات دریافت کر لایا۔اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے عجائب قیامت تک ختم نہیں ہوں گے۔ہمیں اس کے مظاہر تاریخ کے ہر دور میں دکھائی دیتے ہیں۔اس معجزے کا ایک پہلو مگر ایسا تھا جسے ابھی عقیدے سے ایک علمی دریافت میں بدلنا تھا۔قدرت نے یہ کام امام حمید الدین فراہی کے مقدر میں لکھ دیا۔ہماری علمی تاریخ میں پہلی بار انھوں نے کلام الٰہی کے اس پہلو کو ایک علمی حقیقت میں بدل ڈالا۔معجزے کا یہ پہلو کیا ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید آج اس ترتیب کے ساتھ موجود نہیں ہے جس میں یہ نازل ہوا۔اس کی موجودہ ترتیب

* الاستیعاب، ابن عبد البر، بہامش الاصابہ ۳/ ۲۳۷۔

بھی توقیفی، یعنی اللہ کی طرف سے ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آفاقی پیغام کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں ان واقعات پر تبصرہ بھی کیا گیا ہے جو عہد رسالت مآب میں پیش آئے۔ پھر اس میں بھی کلام نہیں کہ جب کوئی آیت یا آیات نازل ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت فرماتے کہ انھیں فلاں سورہ میں فلاں آیت سے پہلے یا بعد لکھ دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ اس نئی ترتیب میں حکمت کیا تھی؟ مختلف مواقع پر نازل ہونے والی آیات جب اللہ ہی کے حکم سے ایک مربوط کتاب میں ڈھلیں تو اس سے وجود میں آنے والا نظم کلام کیا تھا؟ بقرہ، آل عمران سے پہلے کیوں، بعد کیوں نہیں؟ انعام، مائدہ کے بعد ہی کیوں؟ بلاشبہ یہ زبان و بیان کا معجزہ تھا جسے امام فراہی نے ایک زندہ علمی حقیقت میں بدل ڈالا، اس امت کی تاریخ میں پہلی بار۔ میرا طالب علمانہ احساس ہے کہ تفسیر قرآن کی روایت میں اس سے بڑی علمی دریافت کوئی دوسری نہیں۔

فہم کلام کے باب میں امام فراہی نے جن امور کو اپنے غور و فکر کا محور بنایا، ان میں دو باتیں بنیادی ہیں:

ایک یہ کہ قرآن مجید کی آیات اور سورتوں میں ربط ہے۔ یہ ربط اسے ایک ایسی دیدہ زیب عمارت بنا دیتا ہے جس میں کوئی ایک اینٹ بھی کسی دوسرے جگہ لگائی جاتی تو عمارت کا حسن مجروح ہوتا۔

دوسرا یہ کہ قرآن مجید زبان و بیان میں مقلد نہیں، مجتہد ہے۔ یہ اگرچہ موجود اسالیب کلام کو پیش نظر رکھتا ہے، لیکن اس کا اپنا ایک آہنگ بھی ہے۔

قرآن کی زبان اور اسالیب میں جو ندرت ہے، اس کی کوئی مثال نہیں۔ امام نے اپنی ان دریافتوں کا قرآن مجید کے فہم پر اطلاق کیا اور ایک تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا۔ وہ چند آخری سورتوں کی تفسیر ہی لکھ پائے کہ اللہ نے انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ یہاں سے یہ سلسلۃ الذہب دوسرے دور میں داخل ہوتا ہے۔ یہ امام اصلاحی کا دور ہے —— امام فراہی کے شاگرد رشید۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے استاد سے جو کچھ سیکھا، اس میں نصف صدی کی ریاضت اور غور و فکر کو شامل کیا تو اس کا حاصل ''تدبر قرآن'' کی صورت میں سامنے آیا۔ انھوں نے اپنے استاد اور امام کی صرف تقلید نہیں کی، بلکہ اسے اپنی دریافت بنا دیا۔ وہ کئی مقامات پر اپنے استاد سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ یوں انھوں نے زبان حال سے یہ پیغام بھی دیا کہ غیر نبی کے ساتھ عقیدت و محبت کو عقل اور ضمیر کے تابع ہونا چاہیے۔ ''تدبر قرآن'' میں پہلی بار یہ حقیقت ایک علمی دریافت کے طور پر سامنے آئی کہ قرآن مجید کا نظم کیا ہے؟ اس کی سورتوں اور آیات میں کیا ربط ہے؟ اسالیب کلام کس طرح جوہر کلام تک رہنمائی کرتے ہیں؟ قرآن مجید کو سمجھنے کے داخلی وسائل کیا ہیں اور کیوں وہ اپنے فہم میں جوہری طور پر کسی خارجی وسیلے کا محتاج نہیں ہے؟

مولانا نے، تاہم اس نظم اور اسالیب کلام کو زیادہ تر اپنی تفسیر تک محدود رکھا۔ اگر ہم صرف ان کا ترجمۂ قرآن

پڑھیں تو آیات میں ربط کی تلاش میں دقت پیش آتی ہے۔ اب ایک عام قاری کے لیے یہ آسان نہیں ہوتا کہ وہ ''تدبر قرآن'' کی نو جلدوں کی ورق گردانی کرتا رہے۔ قرآن مجید کے ایک سنجیدہ قاری کے لیے تو ناگزیر ہے کہ وہ اس بحر میں اترے اور موتی تلاش کرے، لیکن عام پڑھا لکھا آدمی اس مشقت کا کم ہی متحمل ہوتا ہے، اس لیے یہ ضرورت باقی تھی کہ قرآن کا یہ نظم اور اسالیب کلام کی قرآنی ندرت ترجمے میں سامنے آئے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں ''البیان'' کا ظہور ہوتا ہے ــــ اس سلسلۃ الذہب کی تیسری کڑی۔

یہ جاوید احمد غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن ہے۔ پہلا ترجمۂ قرآن جو نظم کلام کی رعایت سے کیا گیا۔ آپ اسے پڑھتے ہیں تو کہیں یہ گمان نہیں ہوتا کہ قرآن مجید متفرق آیات کا مجموعہ ہے۔ کلام خود بتاتا ہے کہ یہ ایک مربوط کلام ہے۔ یہ ایک رسول کی سرگذشت انذار ہے جو اس زمین پر اللہ تعالیٰ کی آخری عدالت تھے۔ جن کی حیات مبارکہ میں لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کیسے عرب کی سرزمین پر وہ قیامت برپا ہوئی، جس نے کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کر دیا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے والوں کو عذاب سے دوچار کیا اور اللہ پر ایمان لانے والوں اور اعمال صالح کرنے والوں کو اجر عظیم سے نوازا۔ ایسے ہی اس عالم کا پروردگار ایک دن ساری دنیا کے لوگوں کو جمع کرے گا اور اسی طرح کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کر دے گا۔ یوں قرآن مجید اس قیامت صغریٰ کی روداد بیان کرتا اور قیامت پر اسے ایک ناقابل تردید دلیل بنا دیتا ہے۔ ''البیان'' کو پڑھیے تو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگذشت انذار مشہور ہو جاتی ہے۔ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو متفرق اقوال کا مجموعہ سمجھنے اور ایک مربوط کلام ماننے میں کیا فرق ہے اور کیسے یہ فرق خود آیات کی فہم میں زمین آسمان کا فرق ڈال دیتا ہے۔ جاوید احمد غامدی صاحب کا مولانا اصلاحی سے وہی رشتہ ہے جو خود مولانا کا اپنے استاد امام فراہی سے تھا۔ محبت وعقیدت میں ڈوبا ہوا، لیکن کھلی آنکھوں کے ساتھ۔ یوں جاوید صاحب اپنے استاد سے کئی مقامات کی شرح میں اختلاف بھی کرتے ہیں۔

ایک ڈیڑھ ماہ پہلے ''البیان'' کی تکمیل ہوگئی۔ اس کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ دو جلدوں کی اشاعت باقی ہے۔ میں نے اس سعادت پر جاوید صاحب کو سراپا شکر و جذبات دیکھا۔ بلاشبہ، سب کام اللہ کی توفیق ہی سے ہوتے ہیں۔ ہر انسانی کاوش غلطی کا احتمال لیے ہوتی ہے۔ اللہ کو تو مطلوب یہی ہے کہ کوئی بندہ اس کی راہ میں صدق دل سے کوئی قدم اٹھائے۔ اصل قیمت اسی صدق کی ہے۔ مولانا اصلاحی آج زندہ ہوتے تو کتنے خوش ہوتے۔ ان کے استاد نے جو چراغ جلایا، جسے انھوں نے نصف صدی کی ریاضت کا روغن دیا، آج جلاوطنی کی آندھیوں میں بھی، پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہے۔ یہ کتاب اللہ کا چراغ ہے اور یہ پھونکوں سے بجھ نہیں سکتا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

O

اب جفا ہی وفا نہ ہو جائے   یہ بھی اُن کی ادا نہ ہو جائے
رنج دیتے ہو، یہ بھی سوچا ہے   رنج راحت فزا نہ ہو جائے
بے کسی آہ تک تو آ پہنچی   اب یہ حرف دعا نہ ہو جائے
رہنماؤں کا ذکر کیا کیجیے   ہم سے کچھ نا سزا نہ ہو جائے
دیپ پھر جل اٹھیں امیدوں کے   پھر وہ نغمہ سرا نہ ہو جائے
پھر وہی التجا کہ غیر نہ ہو   پھر وہی ماجرا نہ ہو جائے
وہ خدا ہے، اُسی کو شایاں ہے   کبر تیری ردا نہ ہو جائے
بیچ منجدھار جس نے چھوڑا تھا   پھر وہی نا خدا نہ ہو جائے
ہجر میں بھی سوال مشکل تھا   اب یہ مشکل سوا نہ ہو جائے
رشتہ ہائے دماغ بے حاصل   دل اگر آشنا نہ ہو جائے
کیا مزہ درد مند ہونے میں   درد اگر لا دوا نہ ہو جائے
عقل ہی رہبری کرے، لیکن   عقل زنجیر پا نہ ہو جائے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ مرا حرفِ آرزو بھی کہیں
نقش بند ہوا نہ ہو جائے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org